ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

فروری سنہ ۱۹۸۸ء

ایڈیٹر

مرزا محمد الدین ناز

ماهنامہ

انصار اللہ

ربوہ

تبلیغ ۱۳۶۷ ہش

فروری ۱۹۸۸ء

اِس شمارہ میں

ایڈیٹر

مرزا محمد الدین ناز

جلد نمبر ۲۹

شمارہ نمبر ۲

پبلشر:۔ چوہدری محمد ابراہیم

پرنٹر:۔ قاضی منیر احمد

مطبع:۔ ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ انصار اللہ

دار الصدر جنوبی ربوہ

کتابت:۔ حمید الدین

شرح چندہ

پاکستان ———— بیس روپے سالانہ

قیمت فی پرچہ:۔ دو روپے

افکارِ معاصرین

گر تو می خواہی مسلماں زیستن

طلوعِ اسلام زیرِ عنوان "لمعات" تحریر کرتا ہے :-

" گر تو می خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

تاریخ انسانیت کے مطالعہ سے یہ تلخ حقیقت تبکرار سامنے آتی ہے کہ جب بھی کوئی شخص باطل ذرائع سے برسرِ اقتدار آیا تو اس نے یہی کہا کہ اُسے یہ منصب حکومت خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے اسی بناء پر کبھی ایسے حکمرانوں نے اپنے آپ کو ظلّ اللہ کہلوایا اور کبھی ان کی رعایا نے انہیں ظلِّ سُبحانی کہا۔ حصولِ اقتدار کے یہ طریق آج بھی کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔

ان کے علاوہ دُنیائے مذاہب میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو نظریۂ تجسیم (INCARNATION) کا حامل ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ خدا ان کے حکمرانوں کی شکل میں خود زمین پر ظاہر ہوتا ہے۔ گویا ایسے حکمران خدا کے اوتار بن کر انسانوں کے سامنے آتے ہیں۔ اِس بنا پر وہ لوگوں پر حکمرانی کرتے اور ان کی رعایا اُن کی فرماں پذیری ہی نہیں پرستش کرتی ہے۔

انہی غاصب حکمرانوں میں سے ادوارِ تاریخ میں ایک ایسا حکمران بھی گذرا ہے جس نے نہ یہ کہا کہ اُسے منصبِ حکومت خدا کی طرف سے ملا ہے اور نہ ہی وہ خدا کا اوتار بن کر ظاہر ہوا بلکہ اس نے یہ کہا کہ اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی (۷۹/۲۴) میں خود سب سے بڑا رب ہوں۔

غور فرمایا آپ نے کہ صورت کیا بنی؟ پہلا طبقہ یہ کہتا ہے کہ انہیں مسندِ اقتدار ان کے ربّ کی طرف سے ملی ہے۔ دوسرے نے یہ دعوٰی کیا کہ وہ خدا کے اوتار ہیں لیکن اس حکمران نے یہ اعلان کیا کہ وہ خود ربّ ہے اور وہ بھی سب سے بڑا۔ خدائے حقیقی نے اُسے سب سے بڑا مجرم قرار دیا ہے۔ یہ شخص تھا حضرت موسیٰؑ کے وقت کا، مصر کا حکمران، فرعون رعمیسس ثانی (RAMESES II)۔ اس کے ربِّ اعلیٰ کے دعوٰی ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کس قدر جاہ وحشمت اور تسلّط ودبدبہ کا مالک تھا لیکن یہی رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی کا دعوٰی کرنے والا فرعون جب حضرت موسیٰؑ اور قومِ بنی اسرائیل کے تعاقب میں ڈوبنے لگا تو انتہائی کسمپرسی اور مایوسی کے عالم میں پکار اُٹھا کہ:-

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ...... (۱۰/۹۰)

"مَیں ایمان لاتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اُس اللہ کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور مَیں بھی اس کے سامنے سرجھکانے والوں میں سے ہوں"

جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کہہ کر اس پر پھٹکار ہوئی کہ "آلْـٰٔنَ" کمبخت موت ترے سامنے آئی تو تو اپنے کفر پر بھی قائم نہ رہا اور کہتا ہے کہ مَیں ایمان لایا حالانکہ :۔

وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (۱۰/۹۱)

تُو اب تک سرکشی کرتا رہا اور تیرا شمار ان لوگوں میں رہا جو دُنیائے انسانیت کو فساد سے بھر دیتے ہیں۔

اب تُو ہمارے قانونِ مکافات سے بچ نہیں سکتا کیونکہ جب تیرے اقتدار و اختیار کا وقت ختم ہوچکا تو تیری توبہ کیسے قبول ہوسکتی ہے۔ یہ اس لئے کہ خدا کا قانون یہ ہے

وَلَیْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ حَتّٰٓی اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ (۴/۱۸)

"ان کے لئے توبہ (معافی) نہیں جو عادی مجرم ہوں اور اپنی حرکات پر اُس وقت نادم ہوں جب موت اُن کے سامنے آکھڑی ہو نہ ہی اُن کے لئے جو قانون کو سرے سے تسلیم ہی نہ کریں اور ساری عمر اسی سرکشی میں بسر کردیں۔ انہیں دردناک سزا ملے گی"

کیونکہ توبہ کا مطلب ہے اپنی غلط روشِ زندگی کا احساس اور پھر قانونِ الٰہی کے مطابق صلاحیّت بخش اعمال سے اس کی اصلاح۔ لہٰذا جس کے پاس اصلاح کا وقت ہی نہ ہو اُس کی توبہ کچھ معنی نہیں رکھتی۔

اگرچہ اس فرعون (بلکہ ہر فرعون) کے جرائم کی فہرست طول طویل ہے جسے یہاں دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں، تاہم قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اس کا سب سے بڑا جُرم یہ تھا کہ :۔

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعًا ..... اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ (۲۸/۴)

"بلاشبہ فرعون نے زمین میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی۔ وہ (اپنی قوت کو مستحکم رکھنے کے لئے) ملک کے باشندوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کرتا رہتا تھا اور ان میں سے ایک پارٹی کو کمزور سے کمزور تر کرتا چلا جاتا تھا۔ اس کے لئے اس کی پالیسی یہ تھی کہ وہ اس قوم کے ان افراد کو جن میں اسے

جوہرِ مردانگی نظر آتے ذلیل و خوار کر کے غیر مؤثر بنا دیتا اور جوان جوہروں سے عاری ہوتے انہیں اُبھارتا اور آگے بڑھاتا رہتا۔ اِس طرح وہ اس قوم میں ناہمواریاں پیدا کر کے ان کی قوت کو توڑتا چلا جاتا۔"

..... اب آگے بڑھیئے! جب کسی معاشرہ میں ہر طرف فساد ہی فساد رونما ہو جائے اور کوئی شئے اپنی اصلی حالت پر نہ رہے تو اس کا لازمی نتیجہ مایوسی ہوتا ہے۔ مایوسی یعنی FRUSTRATION میں کسی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ان حالات کو سدھارنے کے لئے کیا کیا جائے۔ پوری قوم کی قوم ایک دوسرے کو موردِ الزام قرار دینے میں مصروف رہتی ہے۔ لیڈر عوام کو کوستے ہیں تو عوام اپنے لیڈروں کو یہ کہہ کر مطعون کرتے ہیں کہ وہ بالکل نکمے اور بے ایمان ہیں .....

آئیے اب پاکستان کے حالات پر ایک نظر ڈالیں۔ پاکستان ایک متاعِ گراں بہا ہے جو ہمیں فطرت کی طرف سے بطور نعمت ملی اور جس کے حصول میں بانیٔ پاکستان علیہ الرحمۃ کا خونِ جگر بھی شامل ہے لیکن ہم نے اس کی سخت ناقدری کی اور خدا سے کئے ہوئے اپنے وعدوں کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے اس کے اندر قوانینِ خداوندی کے نفاذ اور ان کے اِتباع سے گریز کی راہیں ڈھونڈتے رہے اور اِس طرح ہم نے اپنے لئے وہ جہنم پیدا کر لیا جس میں آج ہم سب جُھلس رہے ہیں۔ اس عذاب میں گرفتار ہم اپنے سے پہلی قوموں کی طرح کبھی گذر جانے والوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں اور کبھی آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوتے ہیں اور یہ کچھ کرتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔ ہم اسی ادھیڑ بن میں مگن رہتے ہیں اور اس جہنم کے شعلے دن بدن بلند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی یہ سوچنا نہیں چاہتا کہ اِس صورتِ حال کا بنیادی سبب قانونِ خداوندی سے روگردانی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اِس جہنم سے نکلنے کی کوئی صورت بھی ہے؟ اگر آپ بنگاہِ تعمق اپنے معاشرہ کے حالات پر غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس میں کوئی ایسا خاص پُرزہ نہیں جس کے بدل دینے سے اصلاحِ احوال ہو جائے۔ یہ خرابی اس پورے کے پورے نظام میں ہے جو غیر قرآنی خطوط پر متشکل ہے۔ مفاد پرست گروہ اپنی جگہوں پر دن رات ایسی سازشوں میں مصروف رہتے ہیں کہ مستقلاً ایسے حالات پیدا کرتے جائیں جن میں عوام کا قوانینِ الٰہی کے اتباع کا جذبہ پنپنے نہ پائے اور موجودہ باطل نظام قائم رہے تاکہ وہ محنت کرنے والوں کا اسی طرح استحصال کرتے رہیں لیکن خدا کا قانونِ مکافات ہر فرعون کے لئے ایک صاحبِ ضربِ کلیم پیدا کر دیتا ہے۔"

(طلوعِ اسلام لاہور فروری ۱۹۸۸ء صفحہ ۲ تا ۵)

جناب محمد اسلام صاحب آف کراچی "پاکستان جل رہا ہے" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں :-

"تیسری بڑی سماجی بُرائی کی جڑ" جماعتِ اسلامی" ہے جس کی بنیاد ہی نفرت، نفاق، عصبیّت اور فرقہ پرستی پر استوار ہے۔ اِس فرقہ کی بنیاد مودودی (مرحوم) نے ۱۹۴۱ء میں رکھی تھی۔ آپ اس کی روئیداد جو ترجمان القرآن بابت جون، جولائی، اگست ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی ہے ملاحظہ فرمایئے۔

"جماعتِ اسلامی" کی تربیّت جن خطوط پر کی گئی ہے اور اسے جن تعلیمات سے آراستہ کیا گیا ہے اس کا نکتۂ مسئلہ یہ ہے کہ" راست بازی وصداقت شعاری اسلام کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے اور جھوٹ اس کی نگاہ میں بدترین بُرائی ہے لیکن عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔"

(ترجمان القرآن مئی ۱۹۵۸ء)

آج معاشرے میں جھوٹ، فریب، دھوکا دہی کے جو مظاہرے ہم دیکھ رہے ہیں وہ عملی زندگی کی ضرورت بن کر ہمارے اعصاب پر سوار ہیں اور قانونِ ضرورت کے تحت ہمارا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ آج ہمارا ملک، ظلم، تشدّد اور بربریّت کی جس آگ میں جل رہا ہے یہ بھی" جماعتِ اسلامی" ہی کی سُلگائی ہوئی ہے۔ یہ جماعت اقتدار پر قبضہ جمانے کے لئے "صالحین" کو جس تعلیم و تربیت سے آراستہ و پیراستہ کرتی رہی ہے وہ اس کے عزائم کی آئینہ دار ہے۔ قابلِ توجہ امر یہ بھی ہے کہ جماعتِ اسلامی نے اسلامی مملکت پاکستان میں "جہاد" کا جو طریقہ تجویز کیا ہے غیر مسلم حکومت بھارت پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ پاکستان میں اصلاحِ خلق کا طریقہ کار کے متعلق ارشاد ہے:-

"اصلاحِ خلق کی کوئی اسکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کئے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین میں فتنہ و فساد کو مٹانا چاہتا ہے اور واقعی یہ چاہتا ہے کہ خلقِ خدا کی اصلاح ہو تو اس کے لئے محض واعظ اور ناصح ہو کر کام کرنا فضول ہے۔ اس کے لئے اُٹھنا چاہیئے اور غلط اصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے، غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر صحیح اصولی اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیئے۔" (خطبات صہ ۲۳۱)

"تم رُوئے زمین پر خدا کے سب سے صالح بندے ہوئے لہٰذا آگے بڑھو، لڑ کر خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور حکمرانی کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔" (خطبات صہ ۲۳۵)

یہ خدا کے سب سے صالح بندے کون ہیں ؟ یہ ہیں جماعتِ اسلامی کے "صالحین" جو "خودساختہ شریعت" کے نفاذ کے لئے کراچی سے خیبر تک انتشار برپا کرنے کا عزم کر کے میدانِ کارزار میں صف بستہ ہیں۔ اللہ تعالےٰ

ان کے شر اور وسوسہ انگیزی سے پاکستان کو محفوظ رکھے۔

ہم نے پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا تھا لیکن آج اپنے گرد وپیش پر غور کریں تو اسلام ہی سب سے زیادہ مظلوم نظر آتا ہے۔ ملک میں ہر قسم کی بدعنوانی اور معاشرے میں ہر نوعیت کے ظلم و استحصال کی موجودگی میں اسلام کا نام عجیب سا لگتا ہے کیونکہ اسلام اور ظلم، اسلام اور ناانصافی، اسلام اور لاقانونیت، اسلام اور غلامی، اسلام اور تحقیرِ انسانی، اسلام اور عدمِ مساوات، اسلام اور استحصال، اسلام اور متحدہ قومیت، اسلام اور فرقہ پرستی، اسلام اور سیاسی گروہ بندی، اسلام اور انفرادی مفاد پرستی، اسلام اور قبائلی، خاندانی اور علاقائی عصبیتیں، اسلام اور طبقاتی تقسیم، اسلام اور اقرباء پروری، اسلام اور سرمایہ داری، اسلام اور جاگیرداری، اسلام اور جبروتشدد، اسلام اور فساد انگیزی، اسلام اور بدکرداری، اسلام اور بداخلاقی، اسلام اور بدامنی، اسلام اور عدمِ تحفظ، اسلام اور عدمِ توازن ایک دوسرے کی ضد ہیں اور جس طرح صفائی اور غلاظت: روشنی اور تاریکی، آبِ حیات اور زہر میں مفاہمت نہیں ہو سکتی اسی طرح اسلام اور شرک میں مفاہمت ناممکن ہے۔ تین خلفاء کی شہادت، اسپین کے زوال، بغداد کی شکست، سلطنتِ مغلیہ کے زوال سے لے کر مشرقی پاکستان میں ہزیمت تک سے مسلمانوں نے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ دُکھ تو یہی ہے کہ ہمارے دلوں سے احساسِ زیاں جاتا رہا۔ اِس وقت پاکستان جس عذابِ خداوندی میں گرفتار ہے وہ سب اقدارِ خداوندی سے گریز، مکافاتِ عمل سے انکار، جزا اور سزا سے بے خوفی اور آخرت کی زندگی پر ایمان کے فقدان کا نتیجہ ہے۔" (طلوعِ اسلام لاہور فروری ۱۹۸۸ء صفحہ ۵۰، ۵۱)

نوائے وقت اپنے اداریہ میں لکھتا ہے:-

"پاکستان میں نظامِ اسلام پر کسی کو اختلاف نہیں ہے اور جنابِ صدر کو اپنے طویل مارشل لاء دور میں اس کے نفاذ کے لئے بلاشرکتِ غیرے موقع بھی ملا تھا اور ایک ریفرنڈم میں قوم سے اس کے مکمل نفاذ کا مینڈیٹ بھی لیا گیا، اگرچہ ہم نے اُس وقت بھی لکھا تھا کہ اِس مسئلے پر اس انداز میں رائے لینا مناسب نہیں کیونکہ قوم میں اِس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن پھر بھی حالات و واقعات کی ترتیب اپنی خواہش کے مطابق رکھی گئی۔ بہرحال اسلامی نظام کا نفاذ اور جمہوری نظام اپنی اپنی جگہ پر اہمیت کے حامل ہیں اور ضرورت اِس امر کی ہے کہ ان کے باہم متصادم ہونے کا تصور ابھارے بغیر اور کسی تضاد کا شکار ہوئے بغیر حقیقی جمہوریت کے قیام و استحکام کے لئے ہم سب مل جُل کر کوشش کریں تاکہ نظریاتی اساس کی روشنی میں ہم ملک کے اندر ایک مستحکم، قابلِ عمل اور پائیدار سیاسی نظام کے ذریعے قومی سفر کامیابی سے جاری رکھ سکیں اور (باقی صفحہ ۴۳ پر)

خلاصہ خطبات حضرت امام جماعتِ احمدیہ

خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۷ء بمقام لندن

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا کہ ۱۹۸۷ء کا سال قریب الاختتام ہے اور ہم ان دنوں میں داخل ہو رہے ہیں جب ہمارا جلسہ سالانہ مرکز میں ہوا کرتا تھا۔ پہلے قادیان میں اور پھر ربوہ میں۔ فرمایا قادیان کا جلسہ امسال بھی نہایت کامیاب رہا ہے اور جلسہ میں شامل ہونے والوں نے روحانی ماحول میں تربیت پاتے ہوئے وقت گذارا اور غیر معمولی دعاؤں کی توفیق پائی لیکن جہاں تک پاکستان کے جلسہ کا تعلق ہے حکومت نے اِس جلسہ کی اجازت روک رکھی ہے۔

فرمایا: جب بھی جلسہ سالانہ کے دن قریب آتے ہیں تو جماعت کے دل درد سے بھر جاتے ہیں اور مجھے غم بھرے بیقراری کے خطوط آنے شروع ہو جاتے ہیں۔

فرمایا: غم کا پیدا ہونا ایک طبعی امر ہے جسے روکا نہیں جاسکتا لیکن مومن کا غم اس کے ارادوں اور حوصلوں میں کمی پیدا نہیں کرتا۔

فرمایا: جہاں تک سالوں کا تعلق ہے اچھے بھی آتے ہیں اور بُرے بھی لیکن بُرے سال مومن پر غالب نہیں آتے اور ظلمت کی راتیں مومن کے پاؤں نہیں روکتیں وہ ہر حال میں ترقی کی طرف گامزن رہتا ہے اس کے بالمقابل کافر پر جب اچھے حالات آتے ہیں تو وہ بڑھتے ہیں لیکن جب سخت حالات آتے ہیں تو اس کے قدم رُک جاتے ہیں۔

حضور نے فرمایا: جماعتِ احمدیہ بڑے سے بڑے خطرناک حالات میں بھی ہمیشہ آگے بڑھتی رہی ہے اور اس نے کبھی کمزوری نہیں دکھائی۔

بعد ازاں حضور نے وقفِ جدید کے سالِ نَو کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا کہ وقفِ جدید کے لئے جماعت گذشتہ سال کے مقابلہ میں آگے بڑھی ہے۔ اِس ضمن میں حضور نے نمایاں ترقی کرنے والی جماعتوں میں ربوہ، کراچی، کوئٹہ، مظفر گڑھ، لیہ، وہاڑی، جہلم، اٹک، خیرپور، پشاور، کوہاٹ وغیرہ کا ذکر فرمایا۔

حضور نے فرمایا کہ خدا کی طرف سے جماعت کو ترقی کا ایک عمومی وعدہ ہے۔ اس کے علاوہ ہر مقامی جماعت اور اضلاع کی جماعتوں سے Potential کے طور پر بھی ایک وعدہ ہے۔ جتنا کوئی جماعت اس سے استفادہ کرے گی اتنا ہی وعدہ پورا ہوگا۔ اس سے وعدہ کی عمومی شکل میں فرق نہیں پڑتا لیکن مقامی طور پر فرق پڑتا ہے جس میں انسانوں کا اپنا قصور ہوتا ہے۔ اِس ضمن میں حضور نے بتایا کہ سندھ کے بعض اضلاع نے سخت حالات کے باوجود وقفِ جدید میں نمایاں ترقی کی ہے لیکن بعض دوسرے اضلاع جہاں امن کے حالات ہیں ان کا قدم پیچھے چلا گیا ہے۔ اس پر حضور نے تھرپارکر اور سندھ کے عہدہ داروں کو متنبہ فرمایا کہ وہ قدم کو آگے بڑھائیں حضور نے فرمایا کہ پنجاب کے بعض بڑے بڑے اضلاع نے بہت مایوس کیا ہے لیکن یہ خدا کا خاص فضل ہے کہ ان کی کمزوری کے باوجود وقفِ جدید کا قدم آگے ہی بڑھا ہے لیکن اگر یہ کمزوری نہ دکھاتے تو تصویر بہت بہتر شکل میں اُبھرتی۔

فرمایا: اِن جائزوں سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بعض جگہ امرائے اضلاع ٹھوس کام کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور ہر جماعت کا ہر جہت سے جائزہ نہیں لیتے۔ ان کو توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ ایک پہلو میں آگے نکل جانا اور دوسرے میں پیچھے رہ جانا اچھا نہیں ہے بلکہ ہر پہلو سے جائزہ لینا چاہیئے اور توازن سے کام کرنا چاہیئے۔ اِس لئے مجلس عاملہ کے دستور مکمل کریں اور بعض جائزے وقتاً فوقتاً ہوتے رہنے چاہئیں اور ایک ایسا نظام ہو جس میں خلاء کے احتمالات باقی نہ رہیں۔

فرمایا: انجمنوں کو اپنی ماتحت انجمنوں کی مدد کرنی چاہیئے۔ ان کا صرف یہ کام نہیں کہ کسی ریزولیوشن پر غور کرکے معاملہ ختم کردیں بلکہ ان کو فعّال سوچ کا حامل ہونا چاہیئے۔

اطفال الاحمدیہ کے چندہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جس انجمن کے سپرد اِس چندے کا کام تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سُستی دکھائی ہے کیونکہ گذشتہ سالوں کی نسبت اطفال کے چندے میں نمایاں کمی ہے۔ ذیلی تنظیموں کو بھی ترقی کے قدم میں انجمنوں سے قدم مِلا کر چلنا چاہیئے۔

بیرونی جماعتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ابتلاء کے پھلوں میں سے ایک پھل یہ بھی ہے کہ وقفِ جدید پہلے پاکستان تک محدود تھی اب اس کی قربانی کا دائرہ ساری دُنیا تک پھیلا دیا گیا ہے۔ اِس کی خصوصیت کے ساتھ اِس لئے ضرورت پیش آئی ہے کہ ہندوستان سے جتنے احمدی پاکستان بننے کے وقت نکلے تھے وہاں کی جماعتیں اس کمی کو پُورا نہیں کرسکی ہیں اور عددی لحاظ سے اور مالی استعداد کے لحاظ سے اور قربانی کے لحاظ سے اپنے معیار تک نہیں پہنچ سکی ہیں۔ اس کی طرف جب انہیں توجہ دلائی گئی تو جماعتِ ہندوستان نے نیک کاموں پر لبّیک کہا۔ مَیں نے محسوس کیا کہ ان میں کام کا جذبہ تو ہے لیکن پیسے کی کمی ہے اور قربانی کے معاملہ میں جو سُستی تھی اس کی طرف انجمن قادیان توجہ

نہیں کر سکی اِس لئے ان کی مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے وقفِ جدید کی بیرونی تحریک کی گئی۔
حضور نے فرمایا کہ وقفِ جدید شُدھی کی تحریک میں نمایاں حصّہ لے رہی ہے نیز فرمایا کہ جس طرح افریقہ میں نصرت جہاں کام کر رہی ہے اسی طرح ہندوستان میں بھی ایک نصرت جہاں کے تحت انہی خطوط پر کام کو بڑھانا چاہیئے فرمایا وقفِ جدید کو معمولی عام تحریک نہ سمجھیں اس کا ہندوستان کے روحانی مستقبل کے ساتھ گہرا واسطہ ہے اِس لئے سب جماعتوں کو اس میں حصّہ لینا چاہیئے۔ بیرونی جماعتوں کے وعدوں کے ضمن میں بتایا کہ ۱۹۸۶ء کی نسبت اِس سال نصف وعدے ہیں۔ فرمایا عمومی طور پر تو ایسا نہیں ہو سکتا اس میں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس میں جو وصولی ہوئی ہے وہ کم و بیش پہلے جتنی ہے۔ اس کے بعد حضور نے اس کا جائزہ لینے کی طرف توجہ دلائی اور امید کا اظہار فرمایا کہ یہ چندہ ایک لاکھ تک ہو جانا چاہیئے۔ فرمایا: بچوں کو بھی اِس تحریک میں زیادہ سے زیادہ شامل کریں اور خود انکے ذریعہ دلوائیں کیونکہ میرے پیشِ نظر صرف روپیہ نہیں بلکہ روپیہ جس مقصد کی خاطر حاصل کیا جاتا ہے وہ مقصد بہرحال اوّلیت رکھتا ہے یعنی تربیت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق۔ چندہ دینے کا سب سے بڑا اجر اِس دنیا میں یہ ہے کہ چندہ دینے والا خدا کے قریب ہو جاتا ہے اور جن بچوں سے چندے دلوائے جاتے ہیں اُن پر اس قُرب کا اثر ساری زندگی رہتا ہے۔ بچپن کی نیکی ایسی چھاپ ہے جو اُن کے بڑھنے کے ساتھ خود بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اس کا نقش مٹنے کی بجائے گہرا جمتا جاتا ہے اِس لئے بچوں کو باشعور طور پر اِس چندے میں شامل کریں۔ ان کی تعداد میں اضافہ دُہرے اثر کا موجب ہوگا۔

خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ یکم جنوری ۱۹۸۸ء بمقام لندن

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے سورۃ الجمعہ کی درج ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى
ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ○ فَإِذَا قُضِيَتِ
الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللهِ وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا
لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ
قُلْ مَا عِندَ اللهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ○

فرمایا: نئے سال کا آغاز جمعۃ المبارک کے دن سے ہو رہا ہے اور جمعہ میں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی برکتیں رکھی ہیں اور یہ دن مومن کے لئے اس قدر برکتوں اور رحمتوں کا موجب ہوتا ہے کہ وہ اس کی برکت سے اپنے کھوئے ہوئے

مقامات کو دوبارہ حاصل کر لیتا ہے اور اس دن میں بعض ایسی ساعتیں آتی ہیں کہ مومن کی ساری دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ حضور نے فرمایا لیکن بڑے غم کی بات یہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ کے بعض افراد نہ صرف یہ کہ جمعہ کی برکتوں سے ناواقف ہیں بلکہ بہت سے ایسے ہیں جو جمعہ کی ادائیگی سے بھی غافل ہیں اور مغربی ممالک میں یہ نسبت زیادہ خطرناک حد تک ہے۔ اِس لئے جماعتِ احمدیہ کو جمعہ کی ادائیگی کی طرف خصوصی توجہ کرنی چاہیئے کیونکہ مومن کی تربیت کے لئے خدا نے جمعہ کا دن رکھا ہوُا ہے۔

فرمایا: جمعہ کے احترام کو قائم کرنا جمعہ کی عبادت کے نظام کو از سرِ نَو مستحکم کرنا اور ہر احمدی کو عادی کر دینا کہ وہ جمعہ پڑھے یہ اِس دَور اور اِس سال کی خصوصی مہم بن جانی چاہیئے۔ اگر آپ لوگ ایسا نہیں کریں گے تو آپ کی اولادوں کے ایمان اور ان کے اعمالِ صالحہ کی کوئی ضمانت نہیں ہوسکتی۔ فرمایا جماعتِ احمدیہ کے افراد نے اگر اپنے بچّوں کی حفاظت کرنی ہے اور ان کو دیندار رہنا ہے تو جمعہ کی اہمیّت ان پر واضح کئے بغیر ان کو جمعہ کا عادی بنائے بغیر وہ ایسا نہیں کر سکیں گے۔

فرمایا: ایسے احمدی بچے جن کو یہ علم ہی نہ ہو کہ ان کے ہاں عبادت کا ایک خاص دن ہے ایسی نسل جب بڑی ہوگی تو اس کے متعلق یہ توقع رکھنا کہ وہ احمدیت پر کاربند ہوگی یا ان کے اندر دین کی اہمیّت باقی رہے گی دیوانے کی خواب سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں۔

حضور نے فرمایا کہ بچّوں کے اُوپر جمعہ کا گہرا اثر پڑتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت میں بہت ممد ہے کیونکہ روزمرّہ کے ایسے مسائل جو انسان کے سامنے نہیں آتے وہ جمعہ کے دن سامنے آجاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے نظام سے غفلت کا اِبتلاء آنا تھا اور یہ غفلت بڑی ہلاکت ہے کوئی معمولی ہلاکت نہیں۔

فرمایا: جماعتِ احمدیہ کو اِس لئے قائم فرمایا گیا ہے کہ وہ دینِ حق سے وابستہ ہونے والوں کی کھوئی ہوئی عظمتیں دوبارہ حاصل کر کے دے لیکن جمعہ کے معاملہ میں ہم اِس بات کے اہل نہیں کیونکہ ہم خود اس مقام کو حاصل کرنے کے بعد اس کا کچھ حصّہ کھو بیٹھے ہیں اور مغربی ممالک میں تو نہایت ہی دردناک حالت ہے۔ اکثر بچّے اور اکثر عورتیں جمعہ پڑھنے نہیں آتیں۔ عورتوں اور بچّوں پر فرض تو نہیں لیکن ان کی دینی تربیت کی خاطر ان کو زندہ رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ ان کو جمعہ کا عادی بنایا جائے۔ اگر ان کو بچپن میں اس سے محروم کر دیا گیا تو جب جمعہ فرض ہوگا تو اُس وقت بھی محروم رہیں گے چنانچہ انگلستان اور دیگر یورپین ممالک میں جو بڑی نسلیں جمعہ کی عادی نہیں رہیں ان کے ماں باپ کا قصور ہے کہ انہوں نے بچپن میں ان کو عادی نہیں بنایا۔

فرمایا: آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سکولوں میں جانا ہوتا ہے اِس لئے حاضر نہیں ہو سکتے۔ اِس سِلسلہ میں دَو

اختیار آپ کو ہیں جس کو چاہیں چُن لیں ۔ یا دین کو اہمیت دیں یا دُنیا کی تعلیم کو اہمیت دیں اور بچّوں کی روحانی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا فیصلہ کرلیں کیونکہ جمعہ سے غافل بچّوں کا جماعتی لحاظ سے کوئی مستقبل نہیں ہے اور نئی نسلیں آپ کی اقدار سے دُور ہونا شروع ہو جائیں گی اِس لئے جمعہ کی طرف غیر معمولی توجہ کی ضرورت ہے۔ حضور نے اِس سلسلہ میں جمعہ کے نام پر رخصت حاصل کرنے کی تحریک کا اعلان فرمایا اور بتایا کہ یہ تحریک سب سے پہلے حضرت اقدس بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ نے یکم جنوری ۱۸۹۶ء کو چلائی تھی جس کو نئے سال کے آغاز پر از سرِ نو جاری کرنا ہوگا۔

فرمایا: اگر رخصت نہ ملے تو قربانی کے لئے تیار رہوں خواہ اس دن کی تنخواہ نہ لے کر چھٹی کر لیں لیکن جمعہ ضرور پڑھیں۔ جماعت کے ہر فرد پر یہ بات واضح ہونی چاہیئے کہ جمعہ کے بغیر اس کی کوئی زندگی نہیں ہے۔ بچّوں کو بھی اس دن کے لئے رخصت لے کر دینی چاہیئے تاکہ وہ جمعہ کی نماز میں شامل ہوں۔

آخر میں حضور نے سیّدنا حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات پڑھ کر سُنائے جن میں جمعہ نہ پڑھنے والوں کے حالات کا ذکر کیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے تین جمعہ مسلسل چھوڑ دیئے اس کی اہمیت کو نہ سمجھتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مُہر لگا دیتا ہے۔" پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس نے جمعہ کو ترک کیا جبکہ امام نصیب ہو خواہ وہ عادل ہو یا گناہگار اور بے راہ رَو ہو تو میری دعا ہے کہ خدا اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو مجتمع نہ کرے اور اس کے کسی کام میں برکت نہ رہے۔ ایسا شخص جو جمعہ کی نماز سے غافل ہے اس کی کوئی نماز نہیں ہوئی۔ اس کی زکوٰۃ بھی نہیں۔ حج اور روزہ بھی نہیں۔ اس کی کوئی بھی نیکی کام نہیں آئے گی یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ فرمایا اِن نصائح کے بعد کسی بات کی گنجائش نہیں اِس لئے تمام سال خصوصیت سے جمعہ کے احترام کو قائم کرنے کے لئے کوشش کریں۔ قربانیاں دینے کے لئے تیار رہوں اور دُنیا کے نظام کو بدلیں تاحقیقی دین کا نظام دُنیا پر غالب آئے۔

خطبہ ثانیہ میں حضور نے ایک مخلص فدائی ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب ابن حضرت سردار عبدالرحمٰن صاحب مہر سنگھ کی وفات کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ یہ بہت ہی سادہ منش، بے لوث اور نیک نفس انسان تھے اور بڑے مخلص فدائی تھے۔ ان کی نمازِ جنازہ کے ساتھ حضور نے اَور بھی بہت سے وفات یافتگان کی نمازِ جنازہ غائب پڑھائی۔

خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۸ جنوری ۱۹۸۸ء بمقام لندن

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آیت قرآنی

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ احمدیت کے قیام کے سو سال پورے ہونے میں اب تقریباً ایک سال باقی ہے اور آئندہ سال ہم انشاء اللہ احمدیت کی سو سالہ تاریخ پر اور خدا تعالیٰ کے بے شمار فضلوں کے نزول پر اظہارِ تشکر کی کوشش کا سال منائیں گے جسے صد سالہ جوبلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ فرمایا ساری دُنیا کی ہر جماعت کے ہر فرد نے اِس سال کو خصوصیت سے اللہ تعالیٰ کے احسانات کے شکریہ کے ادا کرنے کی کوشش میں گذارنا ہے اور اس کا بَرملا اظہار بھی کرنا ہے جس کے مختلف منصوبے بنائے گئے ہیں اور جن پر عمل درآمد شروع ہو چکا ہے بلکہ اتنے مختلف نوع کے منصوبے اس تفصیل سے تیار ہیں کہ خطرہ ہے کہ ہر پہلو پر عمل درآمد کرانے کے لئے جتنا وقت درکار ہے ہمیں وہ وقت میسّر نہیں اور کہیں خامیاں نہ رہ جائیں۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ سِلسلہ کے کارکنوں کو توفیق دے کہ وہ خدا کی رضا کے لئے جس حد تک بھی تحسین ممکن ہے اِس منصوبے پر عمل درآمد کرنے کے لئے کوشش کریں اور ساری جماعت کو تیار کریں پھر جو خامیاں رہ جائیں گی وہ اُس خدا کے حوالے ہیں جو بہت ہی رحم کرنے والا، بہت ہی مغفرت کرنے والا اور پردہ پوشی کرنے والا ہے۔ فرمایا اصل اظہارِ تشکر وہ کچھ بننے میں ہے جو کچھ خدا تعالیٰ ہمیں بنانا چاہتا ہے اِس لئے جماعت کو من حیث الجماعت بھی اور ہر خاندان کو خاندان کی حیثیت سے اور ہر فردِ جماعت کو اپنی انفرادی حیثیت سے یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہے وہ اپنی تحسین کرے اور اپنے اندر وہ حُسن پیدا کرنے کی کوشش کرے جو خدا تعالیٰ ہم میں دیکھنا چاہتا ہے اور خصوصًا اپنی ان کمزوریوں کو دُور کرنے کی کوشش کریں جو بعض افراد کے ساتھ خصوصیت سے چمٹ جایا کرتی ہیں۔

فرمایا: تحسین عمل کے پروگراموں میں سب سے اہم پروگرام جو سب پروگراموں کی جان ہے وہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کی طرف گذشتہ دو سالوں میں خصوصیّت کے ساتھ یہ نصیحت کی گئی تھی کہ سیرتِ نبویؐ کے دن منائیں اور کثرت کے ساتھ سیرت کے جلسے کریں، سیرت کے مضمون کا مطالعہ کریں اور اپنے بچّوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے روشناس کرائیں اور جہاں تک توفیق ملتی ہے درود و سلام کو اپنا وِردِ جان بنائیں اور اس ذریعہ سے بہت سی روحانی برکتیں حاصل کریں۔ فرمایا: الحمد للہ گذشتہ سال دُنیا میں ہر جگہ اس کی طرف توجہ دی ہے اور اس کے بہت سے شیریں ثمرات بھی ظاہر ہوئے ہیں لیکن یہ پروگرام گذشتہ سال تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ پروگرام جاری ہے اور نہ ختم ہونے والا پروگرام ہے۔ فرمایا سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا مضمون انسان کی ساری زندگی سے تعلق رکھتا ہے اِس لئے اِس پچھلے سال جو سیرۃ النبی کے پروگرام سے متعلق منانے کے لئے کہا گیا تھا وہ توجہ دلانے کی خاطر تھا۔

فرمایا: جتنے بھی پروگرام بیان کئے جاتے ہیں وہ سارے کے سارے سیرتِ نبویؐ سے تعلق رکھتے ہیں اور مسلمان کی زندگی کا کوئی پروگرام بھی سیرتِ نبویؐ کے حوالے کے بغیر طے نہیں پا سکتا اِس لئے سیرتِ نبویؐ کے مضمون کو جاری

رکھنا ضروری ہے اور اس ضمن میں ساری دُنیا میں کثرت کے ساتھ جلسے منانے چاہئیں۔ گھروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے پہلے سے زیادہ ہونے چاہئیں اور مختلف زبانوں میں آپؐ کی سیرت سے تعلق رکھنے والا لٹریچر شائع ہونا چاہیئے اور ہر ملک کے ماحول اور حالات کے پیشِ نظر سیرت کے جن پہلوؤں کی تشنگی محسوس ہوتی ہے سیرت کے ان پہلوؤں کو نمایاں طور پر پیش کیا جائے۔

حضور نے خصوصیت کے ساتھ اِس اہم مضمون کی طرف توجہ دلائی کہ حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام قبلہ کا نہیں ہے بلکہ قبلہ نما کا ہے اور آپؐ خود مقصود بالذّات نہیں بلکہ مقصود بالذّات خدا کی ذات ہے۔ آپؐ خدا کی طرف لے جانے والے ہیں اور اس پہلو سے قرآن نے آپؐ کو وسیلہ قرار دیا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ پہلی قوموں کو یہ خطرہ پیش آیا جس میں مبتلا ہو کر بہت سی قومیں ہلاک ہوگئیں کہ انہوں نے وسیلہ کو مقصود بالذّات بنا دیا حالانکہ وہ خود ایک وسیلہ کی تلاش میں رہتے تھے اور وہ وسیلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی آمد کی خبر انبیاء کو دی گئی تھی۔

فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں وسیلہ ہیں کہ آپؐ کامل خدا محبوبِ ازلی وابدی کی طرف لے جانیوالے ہیں اور آپؐ کی سیرت اختیار کئے بغیر اللہ تعالیٰ نصیب نہیں ہوسکتا۔ فرمایا جتنے بھی پروگرام میں نے آپ کے سامنے رکھے ہیں وہ حصولِ وسیلہ کے سوا اور کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ فرمایا تمام تر رُوحانی زندگی کا انحصار وسیلہ پر ہے اور وسیلہ سے مراد حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپؐ کی سیرت اپنے تمام جمال وکمال کے ساتھ اپنانا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وسیلہ کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصہ خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ جنوری ۱۹۸۸ء بمقام لندن

تشہّد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا: گذشتہ جمعہ میں یہ ذکر کیا تھا کہ صد سالہ جوبلی کے اظہارِ تشکّر کا سال بہت قریب آرہا ہے اور ہمیں ہر رنگ میں تیاری کرنی چاہیئے۔ فرمایا سب سے دیرپا احسان جو خدا تعالیٰ اپنے بندوں پر فرماتا ہے وہ قربانی کی توفیق ہے کیونکہ قربانی کی توفیق انسان کی رُوح کو جو دائمی عظمت عطا کرتی ہے اس سے بڑا اجر اور کوئی نہیں۔ ہر اجر کے حصول کا ذریعہ قربانی بن جاتی ہے لیکن اجر سے بے نیاز خود قربانی اپنی ذات میں عظیم عطا ہے کہ اسے نظرانداز کرکے صرف اجر پر نظر رکھتے ہوئے اظہارِ تشکّر کرنا، اظہارِ تشکّر کو خام اور نامکمل بنا دے گا۔

بعدازاں حضور نے فرمایا: جماعتِ احمدیہ کے آغازِ قیام سے لے کر اب تک قربانی سے مذہب کا آسمان نئے رنگ میں سنوارا اور سجایا جا رہا ہے اور احمدیت کی قربانیوں کے چاند ستارے ایک نئے آسمان کو جنم دے رہے

ہیں اِس لئے سب سے زیادہ اِس بات کی دعا کریں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ خدا پہلی قربانیوں پر احسان کے ذکر اور مزید قربانیوں کی توفیق عطا فرمائے۔

گذشتہ پانچ چھ سالوں میں حضور کے عہدِ خلافت میں جو تحریکات ہوئی ہیں اُن کا ذکر کیا جن میں بیوت الحمد کی تحریک، تحریکِ جدید کے دفتر اوّل و دفتر دوم کے کھاتوں کو زندہ کرنے کی تحریک، جلسہ سالانہ جوبلی کے لئے متوقع مہمانوں کی آمد کے پیشِ نظر دیگیں پیش کرنے کی تحریک، دو نئے یورپین مراکز کی تحریک، افریقہ ریلیف فنڈ کی تحریک، امریکہ میں پانچ مراکز کے قیام کی تحریک جو بعد میں دس مراکز پر منتج ہوئی اور اب مزید آگے بڑھ چکی ہے، جدید پریس کے قیام کی تحریک، وقفِ جدید کو عالمی تحریک میں تبدیل کرنا، تحریکِ جدید کے دفتر چہارم کا آغاز، توسیع مکان بھارت کی تحریک، توسیع و بحالی بیوت السجود کی تحریک، سیّدنا بلالؓ فنڈ کی تحریک، دفاعِ دینِ حق بمقابلہ تحریک شدھی کا دوبارہ آغاز، دار الیتمٰی کے قیام کی تحریک، ایسے بچوں کو اپنانے کی تحریک جو یتیم رہ گئے ہوں، مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کی اشاعت کی تحریک۔

ان تحریکات کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اِن سب تحریکات میں خدا تعالیٰ نے جماعت کو توفیق عطا فرمائی ہے کہ اس نے تحریک سے زیادہ پیش کیا ہے اور بعض تحریکات میں ابھی بھی نئے لوگ شامل ہو رہے ہیں اور قربانیاں ایک مسلسل رَو کی طرح چل رہی ہیں جب کہ وہ تحریک اپنی ضرورت پوری کر چکی ہے۔

فرمایا: خدا کا سب سے بڑا احسان جو خدا کا شکریہ واجب کرتا ہے جماعت کی قربانی کا جذبہ ہے جو خدا نے عطا فرمایا ہے۔ اس سے اعلیٰ اخلاق پیدا ہوتے ہیں اور آئندہ عظیم نسلوں کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔ قربانی روحانی انقلاب برپا کرتی ہے اور نیکیوں کی توفیق اس سے ملتی ہے اور غیر معمولی برکات ہیں جو ہر سمت جاری ہیں اور ہر قربانی کرنے والا اِس بات کا گواہ ہے کہ قربانی کے بعد خدا نے اُسے کیسی لذّت عطا فرمائی ہے۔ فرمایا اِس کا اندازہ احباب کے خطوط سے ہوتا رہتا ہے۔

حضور نے تحریکِ جدید دفتر اوّل اور دفتر دوم کے کھاتوں کو زندہ رکھنے کے لئے سب افراد پر یہ ذمّہ داری ڈالی ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے کھاتوں کو خود تلاش کریں۔ وقفِ جدید، تحریکِ جدید کے دفتر چہارم، سیّدنا بلالؓ فنڈ میں جو مالی قربانیاں ابھی بھی ہو رہی ہیں ان کا ذکر تفصیلاً فرمایا ہے۔ اور آخر پر بتایا کہ یہ اظہارِ تشکّر ہے جو ہم نے منانا ہے۔ سب سے زیادہ خدا تعالیٰ کے احسانات میں سے قربانی پیش کرنے کی توفیق دینے کا احسان ہے جو اپنی ذات میں جزاء ہے اور ایسی جزاء ہے جس کی کوئی اور جزاء بدل نہیں بن سکتی۔

○

قرآن حکیم اور اکتشافاتِ اثریّہ

"بائیبل اور آثارِ قدیمہ" پر ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں قرآن حکیم اور اکتشافاتِ اثریّہ کے موضوع پر بہت کم لکھا گیا حالانکہ نپولین کے عہد سے لیکر اِس وقت تک سینکڑوں مقامات کی کھدائی ہو چکی اور تاریخ عالم کے اسرار کھل چکے ہیں۔ اہرامِ مصر سے لیکر شام میں ایبلا (EBLA) کے آثار تک ایک سو نوّے سال پر پھیلی ہوئی اکتشافاتِ اثریّہ کی تاریخ ہے اس نے بائیبل کی تائید ہی نہیں کی تردید بھی کی ہے لیکن قرآن حکیم کی جگہ جگہ تائید ہو رہی ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ماہرینِ آثارِ قدیمہ اِس موضوع پر قلم اُٹھائیں۔ خصوصاً ان باتوں میں جن میں قرآن حکیم منفرد ہے بائیبل میں ان کا کوئی ذکر نہیں کام کرنے کی ضرورت ہے۔

ارض القرآن از سید سلیمان ندوی اِس موضوع پر ایک عمدہ اور بلند پایہ کتاب ہے لیکن اسے UPTO DATE کرنے کی ضرورت ہے۔

اِسی طرح حضرت امام جماعتِ احمدیہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے تفسیر کبیر میں جگہ جگہ اِس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔ اِس بنیاد پر مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔

اِس عاجز نے بیس عنوانوں پر کچھ تحقیق کی ہے جس کا حاصل پیشِ خدمت ہے صرف اشارات پر اکتفا کرونگا۔

طوفانِ نوحؑ

قرآن حکیم میں ہے کہ طوفانِ نوحؑ عالمگیر نہیں تھا بلکہ مقامی تھا۔ اتنا بڑا طوفان کیسے آگیا کہ پانی قومِ نوحؑ کے علاقہ میں پہاڑوں کے برابر بلند ہو گیا۔

یہ ایک راز ہے قرآن میں ہے کہ آسمان سے پانی برسا زمین نے اپنے چشمے چھوڑ دیئے۔ زمین کے دہانے کیسے کھل گئے؟ اس کے لئے ایک اشارہ صرف قرآن میں ہے بائیبل میں نہیں ہے اور وہ ہے التنور کا اُبلنا۔ یعنی کسی CRATER (دہانہ آتش فشاں) کا کھل جانا۔ دوسری بات قرآن نے یہ بتائی کہ کشتی اراراۃ پر نہیں بلکہ جُودی پر ٹِک گئی تھی۔

جُودی کے اُوپر نظر دوڑائیں جھیل وان نظر آئے گی۔ اس کے شمال مغرب میں دُنیا کا سب سے بڑا دہانہ CRATER مُنہ پھاڑے کھڑا ہے اس کا نام "جبلِ نمرود" ہے اس میں آج بھی گرم اور ٹھنڈے پانی کی جھیلیں ہیں اور یہ بھی آثار سے پتہ چل گیا ہے کہ زمانہ قبل از تاریخ میں یہ دہانہ اُبل پڑا تھا اور اس کے باعث جھیل وان میں پھیلے ہوئے دوسرے دہانے یعنی CRATER پھُوٹ پڑے نمرود اور جھیل وان کا پانی نشیبوں میں بھر گیا۔ حضرت نوحؑ کی قوم جھیل وان کے قُرب وجوار میں پیالہ نما نشیبی وادیوں میں بسی ہوئی تھی۔ آسمان کے پانی اور زمینی چشموں نے سارے نشیبی علاقوں کو پانی سے لبریز کر دیا اِس طرح قومِ نوحؑ غرق ہو گئی۔

فارالتنور ایک عظیم الشان انکشاف ہے جو طوفانِ نوحؑ کے راز کو بے نقاب کر دیتا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے کہ قومِ نوحؑ غرق ہونے کے ساتھ ہی آگ میں داخل ہو گئی۔ اِس میں آتش فشانی عوامل کی طرف اشارہ ہے۔ طالمود میں ہے کہ قومِ نوحؑ کو اُبلتے پانی سے عذاب دیا گیا۔ یہ سب حوالے التنور کی معنوی حقیقت کے آئینہ دار ہیں۔

التنور سے مراد CRATER ہے۔ لغت میں اس کے معنی مخزن انار اور منفجر الماء کے ہیں یہ دونوں باتیں اس CRATER میں موجود ہیں جو جودی کے شمال میں واقع ہے جس میں طوفان کا راز پنہاں ہے۔

صُحفِ ابراہیم

بائیبل میں صُحفِ ابراہیم کا کوئی ذکر نہیں۔ قرآن حکیم اِس باب میں بھی منفرد ہے۔ اس آسمانی کتاب میں صحفِ ابراہیم و موسٰی کا یکجائی ذکر ہے اور صحفِ ابراہیم کے حوالے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں لکھنے پڑھنے کا رواج عروج پر تھا۔ بخاری کتاب الانبیاء میں ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے قبیلہ جُرھم سے لکھنا پڑھنا سیکھا ساحلِ فرات میں ماری عراق قدیم کی ایک بستی سے اس کی کھُدائی میں بیس ہزار الواح گلی ملی ہیں جن میں عصرِ ابراہیم اور اُس سے پہلے کی تحریرات کندہ ہیں۔ اِسی طرح شام میں ایبلا کی کھُدائی میں الواح گلی پر مشتمل بادشاہِ وقت کی لائبریری کا انکشاف ہوا ہے۔ ایبلا کے آثار ۲۵۰۰ سے ۲۰۰۰ قبل مسیح سے تعلق رکھتے ہیں۔

اب علماء کا رجحان یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے لازماً صحف مرتّب کئے تھے جو کہ مرورِ زمانہ کے باعث نظروں سے اوجھل ہو گئے ان کا کچھ مواد تورات میں سمو دیا گیا۔ لیونارڈ وُولی نے اپنی کتاب "ابراہام" میں اِس امکان کا ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس روایات و قوانینِ قدیمہ کا پورا سرمایہ تحریری صورت میں موجود تھا (ص ۱۸۷)

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کے بعد جمورابی شاہِ بابل کے قوانین لاٹھوں پر لکھے ہوئے ملے ہیں۔ یہ نوشت و خواندگی کی بہترین مثال ہے۔ اندریں صورت دینِ ابراہیمؑ کا مدوّن صورت میں ہونا قرینِ قیاس ہے۔ پس قرآن حکیم کا

یہ ادّعا کہ صحفِ موسیٰؑ سے پہلے صحفِ ابراہیمؑ موجود تھے ایک عظیم الشان تاریخی انکشاف ہے۔ یہود کے قدیم لٹریچر میں صحیفہ جوبلی شامل ہے۔ اس میں حوالے ملتے ہیں کہ آباءِ قدیمہ نے صحیفے مرتب کئے تھے ان میں حضرت ابراہیمؑ شامل ہیں وہ انہوں نے اپنی اولاد کو منتقل کر دیئے۔

عاد، ارم و ثمود

بائیبل میں قومِ نوحؑ کے خلفاء، قومِ عاد اور عاد کے خلفاء ثمود کا کوئی ذکر نہیں قرآن میں شرح وبسیط کے ساتھ یہ ذکر موجود ہے۔

آج دمشق کے شمال میں EBLA کے آثار میں عاد و ثمود اور ارم کا ذکر مل گیا ہے۔ ماہرین آثارِ قدیمہ پکار اُٹھے ہیں کہ سورۃ الفجر میں عاد و ثمود اور ارم کا بیان ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔

اطالوی عالمِ اثریات پیٹی نے ٹو (PETTINATO) نے سورۃ الفجر کا حوالہ دیا ہے کہ اس میں عاد، ارم اور ثمود کے انجام کا ذکر ہے اور ایبلا کی الواح گلی میں عاد و ثمود اور ارم کی موجودگی کا ثبوت مِل گیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب EBLA (AN ARCHAEOLOGICAL ENIGMA P 192)

حضرت لُوطؑ کی بستیاں

حضرت لُوطؑ کے زمانہ میں جو بستیاں سنگریزوں کی بارش میں ناپید ہوگئیں ان کے متعلق علماء اثریات کا خیال تھا کہ وہ بحیرہ مردار کے جنوب مشرقی حصہ میں تہِ آب مستور ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے کہ وہ ایک معلوم شاہراہ پر ہیں۔ EBLA کے آثار سے قرآنی بیان کی تصدیق ہو رہی ہے۔ ایبلا کے الواح گلی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بستیاں بحرِ میت کے شمال مشرق میں ہیں ان کے ساتھ دمشق کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آبادیوں کی شاہراہوں پر ہیں۔ (EBLA P. 10)

لقمان

قرآن حکیم میں دُنیائے قدیم کے ایک حکیم کا ذکر ہے اسے لقمان کہا گیا ہے۔ لقمان کا مادہ غالباً لقم نہیں بلکہ لَقُنَ لَقَانَۃً ہے جس کے معنے کان ذکیًا عاقلاً کے ہیں اللقانۃ کے معنے ہیں سرعۃ الفہم پس لقمان کے معنے فہم وفراست کے پیکر کے ہیں۔

مصر کے آثار سے بزرگانِ قدیم کے حکیمانہ اقوال ملے ہیں ان میں لقمان کے ایک قرآنی حوالے کی صدائے

بازگشت ہے قرآن میں لقمان کا قول ہے:

اِنَّ اَنْکَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ

حکیم احیقار کے کلماتِ حکمت شائع شدہ موجود ہیں مصر کے آثار سے احیقار کے آرامی اقوال کا انکشاف اس کے علاوہ ہے۔ احیقار کے اقوالِ حکمت میں قرآن سے ایک ملتا جلتا قول درج ہے۔

ا۔ آواز میں میانہ روی اختیار کر اگر اونچی آواز سے کام چلتا تو گدھا ہر روز ایک مکان بنا لیتا۔

ب۔ سینگنے والے گدھے سے بڑھ کر کونسی چیز مضبوط ہے۔

قرآن نے فقرے کی اصلاح کر دی مضبوط کی بجائے کریہہ ہے۔ اسی طرح حکیم فتاح ہوتپ کا صحیفہ حکمت مصر کے آثار سے منکشف ہوا ہے۔ یہ ۲۰۰۰ قبل مسیح کے دور سے تعلق رکھتا ہے اس میں بیٹے کے نام نہایت قیمتی نصائح درج ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہمارے آباء کے اقوالِ حکمت ہیں ان میں بھی قرآنی اقوال کی جھلکیاں ملتی ہیں۔

اِن حوالوں سے ظاہر ہے کہ لقمان کے اقوال شرقِ اوسط میں مشہور رہوئے مختلف حکیموں نے ان سے خوشہ چینی کی اور انہیں دہرایا۔

اِسی طرح ولقد اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ کا قرآنی ادّعا ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔

عُزیر ابن اللہ

ایک سوال یہ ہے کہ یہود نے حضرت عزرا فقیہہ کو تاریخ کے کسی دور میں ابن اللہ نہیں جانا۔ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ کا حوالہ بائیبل میں ناپید ہے۔ اِس باب میں مفسرین نے کہا کہ یمن کا صورتی فرقہ عزرا کو ابن اللہ مانتا تھا۔ یہود کے ذرائع سے اس کا حوالہ نہیں ملا بعض علماء کا خیال ہے کہ عزیر دراصل مصر کا پرانا دیوتا ہے جس کی پرستش بچھڑے کی شکل میں ہوتی تھی۔ بنی اسرائیل نے بچھڑے بنائے وہ دراصل عزیر پرستی تھی۔ انجیل میں ہے کہ

"ان کے دل مصر کی طرف مائل ہوئے۔" (اعمال $\frac{7}{40-41}$)

جس کے نتیجہ میں بچھڑا بنانے کی فرمائش کی۔ قرآن حکیم میں ہے بچھڑے کی محبت ان کو پلا دی گئی۔ یہ دراصل عزیر پرستی تھی۔ بنی اسرائیل نے جلا وطنی سے قبل بچھڑے بنائے اور ان کی پرستش سرکاری مذہب کے طور پر شمالی کنعان میں ہوئی۔ بعض علماء کے نزدیک یسعیاہ $\frac{1}{4}$ میں عزیر پرستی کا ذکر موجود ہے لیکن عزیر کو اسیر سمجھ کر اس کا ترجمہ قیدی کر دیا جاتا ہے۔ (پیکس بائیبل کومنٹری ۱۹۳۷ء ایڈیشن)

اسی طرح یسعیاہ $\frac{28}{15}$ میں "موت" کے لفظ میں موت کے دیوتا عزیر ومیت کے لئے اشارہ ہے۔

(پیکس بائیبل کومنٹری ۱۹۶۳ء ایڈیشن ص ۴۰۴)

دوسری صدی میں سکندریہ کے یہودیں عزیر پرستی کا اشارہ ملتا ہے۔ ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ قَالَتِ الْیَھُوْدَ عُزَیْرَ ابْنُ اللّٰہِ میں غالباً عزرا فقیہہ نہیں بلکہ عزیر دیوتا کی پرستش کا ذکر ہے۔

قرآن حکیم نے ایک عجیب مناسبت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ عزیر پرستی کے بطن سے عیسیٰ پرستی نے جنم لیا قَالَتِ الْیَھُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰہِ وَقَالَتِ النَّصَارٰی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ گویا ابنیت عزیر اور ابنیت مسیح میں ایک مماثلت ہے۔ اب دورِ حاضر کی ایک عظیم کتاب

RELIGION IN ANCIENT HISTORY BY BRANDON

کے یہ الفاظ ملاحظہ ہوں کہ جب دُنیا میں عزیر پرستی ختم ہوگئی تو اس کی جگہ مسیح کو بٹھا دیا گیا۔ عزیر لوگوں کے نزدیک مرکر زندہ ہونے والا خدا تھا یہی کچھ مسیح کے لئے عقیدہ بن گیا گویا مسیح کی خدائی عزیر کی الوہیّت کے عقیدہ کی خوشہ چینی ہے۔ الفاظ یہ ہیں :-

AND IT IS PERHAPS NOT SURPRISING THAT, WHEN THE CULT OF ASIRIS FINALLY DISAPPEARED FROM THE WORLD, IT WAS SUCCEEDED BY THE RELIGION OF CHRIST, THE NEW SAVIOUR GOD, WHO ALSO DIED AND ROSE TO LIFE AGAIN. P. 132

فرعون، ہامان اور قارون

قرآن حکیم میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ۔ فرعون، ہامان اور قارون جیسے صنادیدِ مصر کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ بائیبل مصری دور میں ہامان اور قارون کا کوئی ذکر نہیں۔

مصر کے آثار سے ان صنادید کی پرچھائیں مِل گئی ہے۔ مصری زبان میں ھُم بڑے کاہن کو کہتے تھے اور آمون ان کا سب سے بڑا دیوتا تھا۔ مصر میں ھم آمون یا ہامان آمون کے مہاپجاری یا کاہنِ اعظم کا خطاب تھا۔ فرعون کے بعد سب سے بڑی مقتدر شخصیّت ہامان کی تھی جس کی اپنی فوج تھی۔ وہ عماراتِ مذہبی کا مدار المہام تھا۔ ہامان میرِ عمارات تھا اُسے پیغمبر بھی سمجھا گیا۔

قرآن حکیم میں فرعون کے ساتھ ہامان کے جنود کا ذکر ہے۔ عمارات بلند و بالا بنوانے میں اس کے اختیار و انصرام کا بیان ہے۔ یہ سب باتیں اکتشافاتِ اثریہ سے مل چکی ہیں۔

اِسی طرح کتباتِ مصر میں ارضِ قارون میں سونے کی معادن کا ذکر ہے اُن سے سونا نکالنے والے کا

خطاب قارون بالکل قرینِ قیاس ہے۔ رون کے معنے ستون یا روشنی کے ہیں۔ قارون کے معنے ہو گئے ارضِ قارو کی روشنی یا اس سرزمین کا ستون۔ قارون قومِ موسٰی سے تھا اپنے علم و فن میں یکتا تھا وہ خزائن کا برآمد کرنے والا بن گیا۔ قارون کے بارہ میں قرآن میں عِلۡمٍ عِنۡدِیۡ وارد ہوا ہے۔ وہ خزائن نکالنے کے علم میں سپیشلسٹ تھا۔ اِس طرح وہ فرعون کے خزائن کا وزیر بن گیا۔

فرعون کے بدن کی حفاظت

تورات میں فرعون کے غرق ہونے کا ذکر نہیں ہے اُس کے بدن کے محفوظ ہونے کا ادّعا کون کرتا ہے؟ قرآن حکیم اِس بارہ میں بھی منفرد ہے۔ غرق ہونے والے فرعون کی نعش کا محفوظ ہونا صداقتِ قرآن کا بیّن ثبوت ہے قاہرہ کے عجائب خانہ میں منفتاح کی حنوط شدہ لاش زبانِ حال سے کہہ رہی ہے ؎

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

فرعون کون تھا؟

مصر سے بنی اسرائیل کا خروج جس فرعون کے عہد میں ہوا وہ فرعون کون ہے؟ آثارِ قدیمہ میں یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے قرآن حکیم نے ایک ایسی نشانی بیان کی جس سے تعیین بالکل آسان ہو جاتی ہے۔ قرآن کی رُو سے فرعون کی غرقابی کے بعد مصر میں تباہی، بربادی اور انارکی کا دَور تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دوسری قوم برسرِ اقتدار آگئی۔ فرمایا:۔

"انہوں نے اپنے پیچھے بہت سے باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور بڑے آرام دہ مقام اور ایسی رہائش والی جگہیں جن میں وہ خوب خوش رہا کرتے تھے چھوڑیں اور اسی طرح ہوا اور ہم نے اُن سب چیزوں کا وارث ایک اَور قوم کو کر دیا پس آسمان اور زمین اُن پر نہیں روئے اور ان کو ڈھیل نہیں دی گئی۔" (دخان ۲۰-۲۶)

سورۃ اعراف میں ہے کہ "فرعون اور اس کی قوم جو کچھ بنا رہے تھے اور جو بلند عمارتیں کھڑی کر رہے تھے اُن سب کو ہم نے توڑ دیا۔" (۱۳۸)

آلِ فرعون میں سے رجلِ مومن نے انتباہ کیا:

"اے میری قوم گذشتہ بڑی بڑی قوموں کے ہلاکت کے دن کی طرح مَیں تمہاری ہلاکت کے دن سے بھی ڈرتا ہوں جیسا کہ نوحؑ کی قوم اور عاد اور ثمود پر گذرا اور جو لوگ اس کے بعد گذرے ..... اور اے میری قوم! مَیں تم پر اُس دن سے ڈرتا ہوں جس دن لوگ ایک دوسرے کو مدد کے لئے پکاریں گے جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگ

جاؤ گے اور اللہ کے مقابل کوئی تم کو بچانے والا نہیں ہوگا۔ (مومن ۳۰ - ۳۲)

خروج کے وقت فرعون موسیٰ کون تھا؟ اِس بارہ میں بہت اختلاف رہا ہے۔ آثارِ قدیمہ کی تازہ شہادتوں سے اب یہ خیال ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جس کے گھر میں پرورش پائی وہ فرعون رعمسیس ثانی تھا اور ہجرت یا خروج کے وقت کا فرعون اس کا بیٹا منفتاح تھا۔ قرآن نے تباہی و بربادی کی جو نشانی بتائی ہے وہ منفتاح کے بعد کے دور پر چسپاں ہوتی ہے۔ منفتاح کے بعد بارھویں صدی ق م کے آخر تک تباہی و بربادی بپایۂ تکمیل پہنچ چکی تھی بیرونی مقبوضات ہاتھ سے نکل گئے۔ مصری ایمپائر کا خاتمہ ہو گیا۔ کنعان میں فرعونی مقبوضہ علاقے آزاد ہو گئے اور مصر کے اندر بھی انقلاب آ گیا۔ شام و لیبیا کے قبائل غالب آ گئے پیکس بائیبل کومنٹری کے ۱۹۶۳ء کے ایڈیشن میں اِس انقلاب کی تفصیل ہے کالم ۸۴ کے حرف ز۔ K کے نیچے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ قابلِ ملاحظہ ہے

- منفتاح کے بعد ایشیا اور لیبیا سے غیر ملکیوں کے لاؤ لشکر مصر میں داخل ہو گئے۔
- انہوں نے محاصل دینے سے انکار کر دیا اور رعایا بن کر رہنے سے گریزاں ہو گئیں۔ مکمل انارکی کا دور تھا۔
- اِن حالات سے فائدہ اُٹھا کر ایک شامی سردار مصر کے سیاہ سپید کا مالک ہو گیا اُس نے تخت پر قبضہ کر لیا۔

لوگوں کو پوری طاقت سے دبا لیا اور دیوتاؤں کی حرمت سے انکار کر دیا چھ سال تک وہ تخت و تاج پر قابض رہا۔

- اس کے بعد رعمسیس سوئم غالب آ گیا اُس نے حالات کو بظاہر کنٹرول کر لیا لیکن اس کے عہد میں دوبارہ قبائل لیبیا کی ایک COALITION نے مصر میں داخل ہو کر افراتفری مچا دی اور بعدازاں قبائل کے کئی حملے ہوئے اور مصر کا تفوق ختم ہو گیا اور سلطنت زوال پذیر ہو گئی۔

اِن حالات میں آلِ فرعون کا خاتمہ ہو گیا اور مصر میں عملاً قومِ آخرین غالب آ گئی۔ کویر انسائیکلوپیڈیا میں ہے "مصری ایمپائر ختم ہو گئی مسلسل جنگوں کے بارھویں صدی قبل مسیح کے آخر تک مصری اقتدار کو دھڑام سے نیچے گرا دیا۔" (زیرِ لفظ EGYPTE)

اِس تفصیل سے ظاہر ہے کہ منفتاح وہ فرعون ہے جس کے عہد میں بنی اسرائیل کا خروج ہوا اس کے بعد تشتت و افتراق اور قوماً آخرین کے تفوق اور اقتدار کا دور ہے۔

بنی اسرائیل چالیس سال کی صحرا نوردی کے بعد کنعان میں داخل ہوئے اور مصر میں فرعون کی غرقابی کے بعد چالیس سال زوال کے آئینہ دار ہیں۔ مصر جن کنعانی مقامات پر قابض تھا وہ مقبوضات ختم ہو گئے اور مصر میں دوسری قوموں کے لوگ اور ان کے اثرات عملاً غالب آ گئے۔

قرآن حکیم میں فرعون کے ایک قول میں اشارہ ہے کہ فرعون دو ہیں ایک وہ جس کے گھر میں حضرت موسیٰؑ نے پرورش پائی اور دوسرے وہ جس کے ساتھ ان کے سن و سال بسر ہوئے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ (الشعراء : ۱۹)

فرعون نے کہا (اے موسیٰ) کیا ہم نے تجھ کو اس وقت نہیں پالا تھا جبکہ تو ابھی بچہ تھا اور تو نے ہم میں اپنی عمر کے بہت سے سال گذارے ہیں۔ یہ فقرہ معمّر ترین شخص رعمسیس کا نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے بیٹے منفتاح کا ہو سکتا ہے جس کے ساتھ حضرت موسیٰؑ نے اپنے سن و سال بسر کئے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر کبیر تفسیر الشعراء صہ ۲۹۵)

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں ہے کہ قرآن نے آغاز سے انجام تک ایک ہی فرعون کا ذکر کیا ہے یہ درست نہیں ہے قرآن نے پرورش کنندہ فرعون کا ذکر کیا ہے اور پھر حضرت موسیٰؑ کے ساتھ اپنے سن و سال گذارنے والے فرعون کا۔ غرق ہونے والے فرعون کی نشانی بیان کر دی کہ اس کے بعد مصر کے مقدر میں تباہی و بربادی لکھی تھی اور قومًا اٰخرین کا تسلّط اور تفوق۔

قومًا اٰخرین اور بنی اسرائیل کی وراثت

سورۃ الشعراء میں فرعون اور آلِ فرعون کے متعلق ہے:۔

"تب ہم نے ان کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزّت والے مقام سے نکال دیا اور ایسا ہی ہوُا اور ہم نے ان کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا" (۵۸ - ۶۰)

سورۃ دخان میں ہے:۔

"کتنے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور عزّت والے مقام اور نعمتیں جن میں مزے سے رہا کرتے اور ایسا ہی ہوُا اور ہم نے ان کا وارث دوسرے لوگوں کو بنا دیا"

پہلے حوالہ میں كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ کے الفاظ ہیں دوسرے حوالہ میں كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ کے الفاظ ہیں فرق یہ ہے کہ پہلے حوالے میں یعنی قومًا اٰخرین کے حوالے سے پہلے وَنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ہے اور نعمتیں جن میں مزے سے رہا کرتے لیکن بنی اسرائیل کے ذکر والے حوالے میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ ایک حوالے میں مصر کی نعماء کا ذکر ہے دوسرے حوالے میں بیرونی مقبوضات کا۔ چنانچہ بنی اسرائیل خروج کے بعد مصر میں نہیں گئے وہ کنعان پر اور فرعون کے کنعانی مقبوضات پر قابض ہو گئے دوسری طرف اندرونِ مصر میں دوسری نسلوں کے لوگ غالب آ گئے۔ آلِ فرعون کی رہائش مصر میں تھی اس لئے دونوں حوالوں میں باریک فرق ہے۔ آثارِ قدیمہ کی شہادت موجود ہے کہ کنعان میں فرعونی مقبوضات تھے وہ چالیس سال کے عرصہ میں آزاد ہو گئے بالآخر ان پر بنی اسرائیل قابض ہو گئے اور فرعون کی غرقابی کے بعد مصر میں آلِ فرعون تباہ و برباد ہو گئی اور چالیس سال کے عرصہ میں دوسری قوموں کے لوگ غالب آ گئے ورنہ بنی اسرائیل مصر سے نکلنے کے بعد

وہاں نہیں گئے۔ اِس کی تائید سورۃ الاعراف سے بھی ہوتی ہے۔ فرمایا:-

" اور ہم نے اس قوم کو جس کو ضعیف سمجھا جاتا تھا اس ملک کے مشرقی حصّوں کا بھی اور مغربی حصّوں کا بھی وارث بنا دیا جس کو ہم نے برکت دی تھی۔" (آیت ۱۳۸)

اِس سے مراد کنعان ہے۔ الغرض اندرونِ ملک قوماً اٰخرین غالب آگئی اور بیرونِ ملک بنی اسرائیل غالب آگئے قرآنی حوالوں میں اِس کے لئے حکیمانہ اشارے ہیں۔

رجلِ مومن

قرآنِ حکیم نے آلِ فرعون میں ایک رجلِ مومن کا ذکر کیا ہے جس نے اپنے ایمان کو مخفی رکھا ہُوا تھا لیکن اظہار بھی ہو گیا۔ ملاءِ اعلیٰ میں اس کے خطاب کا حوالہ ہے۔ یہ شخص کون تھا؟ آثارِ مصر میں سے کچھ روشنی ہوئی ہے انکشافِ تامہ کا انتظار ہے۔

فراعنہ کی کئی بیگمات شامی یا سامی نسل سے تھیں ان کے عزیز رشتہ دار اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے اور دربار میں ان کا خاص مقام تھا۔ منفتاح کے بعد ایک شامی شہزادے کا کتبے میں ذکر ہے کہ وہ دیوتاؤں کا قائل نہیں تھا وہ کہتا تھا کہ اپنے اسلاف کو تم نے دیوتا بنا لیا اور اس نے اقتدار پر قبضہ کر لیا اور مصر کے سیاہ وسپید کا مالک بن گیا۔ اس کے دَور میں مندروں کی رونق ماند پڑ گئی اور چڑھاوے بند ہو گئے۔ کیا یہ وہی شخص ہے جس نے ملاءِ اعلیٰ میں حضرت موسیٰ کی حمایت کی تھی۔ یہ ایک مفروضہ ہے لیکن قابلِ غور اور قرینِ قیاس ہے۔

مصریات کا ایک عالم شامی سردار کے قول کی تشریح کرتا ہے۔ شامی سردار کا ادّعا تھا کہ تمہارے دیوتا دراصل پُرانے زمانے کے اسلاف تھے۔ مثلاً مصری آتم دیوتا کو پُوجتے تھے۔ یہ آدم ہے وہ سیتھ کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ آدم کا عظیم الشّان فرزند شیث ہے۔ شامی شہزادہ چونکہ خود سامی نسل سے تھا وہ خوب جانتا تھا کہ مصریوں کے دیوتا ان کے نیک اسلاف ہیں۔ اندریں صورت امکاناً کہہ سکتے ہیں کہ شامی شہزادہ دراصل رجلِ مومن تھا۔

بنی اسرائیل میں لوہے اور تانبے کا دَور

قرآنِ حکیم میں حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے " وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ " وارد ہُوا یعنی " اور ہم نے اس کے لئے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔" اور یہ کہ " آپ نے زِرہ بنانے کی صنعت میں کمال حاصل کیا۔"

آگے چل کر حضرت سلیمانؑ کے لئے فرمایا:-

وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ (سبا ۱۲-۱۳)

اور ہم نے اس کے لئے تانبے کا چشمہ پگھلا دیا۔

بائیبل میں یہ تو ذکر ہے کہ تمہارے ساتھ ایسی زمین کا وعدہ ہے "جس کے پتھر لوہا ہیں اور جس کے پہاڑوں سے تو تانبا کھودے گا۔" (استثناء ۸/۹) لیکن یہ کہیں ذکر نہیں کہ لوہے اور تانبے سے حضرت داؤد اور ان کے ذی شان بیٹے نے کام لیا تھا۔ اس کے برعکس یہ لکھا ہے:

"اس وقت اسرائیل کی ساری زمین میں ایک لوہار نہ ملتا تھا۔" (سموئیل ۱ ۱۳/۱۹)

کیونکہ مصنوعاتِ حدید کی MONOPOLY فلسطینیوں کے ہاتھ میں تھی۔ گیارھویں صدی قبل مسیح میں بنی اسرائیل نے نہ لوہے سے کام لیا نہ تانبے سے۔ عصرِ حاضر میں جب فلسطین میں لوہے اور تانبے کی کانیں دریافت ہوئیں تو پہلی دفعہ پتہ چلا کہ حضرت داؤدؑ نے لوہے سے کام لیا اور حضرت سلیمانؑ کے لئے تانبے کے چشمے بہائے گئے۔ علماءِ اثریات نے ثابت کیا کہ بنی اسرائیل کے لئے عہدِ حدید حضرت داؤد علیہ السلام سے شروع ہوا۔ حضرت داؤدؑ نے فلسطینیوں کے علاقہ ادومیہ پر قبضہ کیا۔ ادومیہ میں لوہے کی کانیں تھیں اس طرح حضرت داؤدؑ نے لوہے کی صنعت پر قبضہ کر لیا اور عہدِ حدید بنی اسرائیل میں شروع ہوا۔ اس کے بانی حضرت داؤدؑ تھے اور حضرت سلیمانؑ کے عہد میں وہ تانبے کے عہد میں داخل ہوئے۔ حضرت سلیمانؑ کو GREAT COPPER KING کہا گیا۔

WERNER KELLER کی کتاب THE BIBLE AS HISTORY میں اس کی دلچسپ تفصیل موجود ہے۔ تانبے کی بعض کانوں کی تصویریں بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

آج اسرائیل میں تانبا کئی جگہ سے نکالا جا رہا ہے۔ ہزاروں ٹن تانبا نکالا گیا۔ ورنر کیلر لکھتا ہے:۔

آج سے تین ہزار سال پہلے حضرت سلیمانؑ کے غلام تانبہ نکالنے پر مامور تھے۔ ان کی پرانی بستیوں کی جگہ پر تانبہ نکالنے والے عملہ کی نئی بستیاں آباد ہو گئی ہیں۔ آج بھی کنعان کی کانوں میں کئی لاکھ ٹن تانبہ پر کے ڈیپازٹ موجود ہیں۔ (۳۹۷)

ظاہر ہے کہ قرآنی انکشاف آج ایک حقیقتِ ثابتہ ہے۔

سبائی تہذیب

قرآن حکیم نے دنیا کی ایک گمشدہ تہذیب کے عروج و زوال کی خبر دی ہے وہ جنوبی عرب کی سبائی تہذیب ہے۔ اس کے عروج کی مثال ملکہ سبا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے مذاکرات ہیں جس کے نتیجہ میں کنعان اور سبا سلکِ اتحاد میں پروئے گئے۔ اہلِ سبا جو کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کے تجارتی راستوں میں مزاحم تھے مطیع و منقاد بن گئے۔ شام سے سبا تک تجارتی قافلے بلا روک ٹوک آنے جانے لگے۔ سبا سے شام تک عظیم تجارتی

شاہراہ میں بنی اسرائیل واہل سبا حصہ دار اور اتحادی بن گئے۔ سبا سے ایلاتِ عقبہ تک سبائی کارواں ۱۲۵۰ میل کا سفر ستر دن میں طے کرتے وہاں سے اسرائیلی معاونت کی وجہ سے دُور دُور تک شام و مصر میں تجارتی سامان کا تبادلہ ہوجاتا۔ اس نمایاں وظاہر شاہراہ پر جگہ جگہ سبائی بستیاں آباد تھیں جو گویا کاروانی پڑاؤ تھے۔ اس زمانہ میں یمن کا ملک بری و بحری تجارت کا دُہرا مرکز تھا مثلاً ہندوستان سے بحری راستوں سے مال آتا وہ سبا میں جمع ہوجاتا یہاں سے بری کارواں اس مال کو خلیج کے ممالک میں شمالی عرب میں شام و مصر میں پہنچا دیتے۔ سبا کی تمنا اور منصوبوں کے مطابق تجارتی راستے دُور سے دُور تر ہوتے گئے۔ اس دُہری تجارت سے سبا اس درجہ مرفع الحال ہوگیا کہ اس نے اپنے دارالسلطنت مآرب میں ایک عظیم ڈیم بنالیا جو کہ ڈیموں کے ایک سلسلہ پر مشتمل تھا۔ آٹھ سو قبل مسیح میں اس کی تعمیر شروع ہوئی۔ یمن کے پہاڑوں سے آنے والا پانی اس میں ذخیرہ ہوتا تھا۔ جگہ جگہ پہاڑوں کو کاٹ کر SPILLWAYS بنائے گئے آگے نہروں کے ذریعہ ملحقہ کھیتوں کو پانی دیا جاتا اِس طرح یہ خطہ جنّت نشان بن گیا سارا علاقہ میوہ جات اور خوشبودار پودوں کی وجہ سے روح و ریحان کا مظہر تھا۔ یہ ڈیم ایک عظیم صنعت کا شاہکار تھا۔ یہ ہے اس قوم کی عروج کی داستان جس کی طرف سورہ نحل اور سورہ سبا میں ایسے اشارات ہیں جو اثری انکشافات کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ اب اِس تہذیب کی زوال کی داستان سُنیئے۔

سبائی ڈیم کسی طوفان، سیلاب یا زلزلہ کی وجہ سے ٹوٹ گیا سارا مزروعہ علاقہ زیرِ آب آگیا آبادیوں کا جزوی انخلاء شروع ہوا۔ عرب و شام میں سبائی پناہ گزین پھیل گئے۔ اس کے عرصہ بعد تجارتی شاہراہیں بھی غیر محفوظ ہوگئیں اور چھننا شروع ہوگئیں اور بحری راستوں کے کُھلنے کی وجہ سے کچھ متروک ہوگئیں۔ یہ قوم آرام طلب ہوکر فسق و فجور میں مبتلا ہوگئی حالت یہ تھی کہ یہ روا تھا کہ خاوند، خسر، بھائی ایک عورت سے تمتع کریں بہرطور انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور وہ ملیامیٹ ہوگئے نتیجہ ظاہر ہے اتنی بڑی تہذیب حرفِ غلط کی طرح مٹ گئی۔ اس تہذیب کے عروج و زوال کی داستان کم از کم ایک ہزار سال پر پھیلی ہوئی ہے۔

بیسویں صدی کے وسط میں AMERICAN FOUNDATION ARABIAN EXPEDITION کے زیرِ اہتمام ۱۳ علماءِ اثریات اور معاونین کی ایک مہم ترتیب دی گئی اس نے یمن میں آثارِ قدیمہ کو کھنگالا۔ مہم کے لیڈر نے ۱۹۵۵ء میں ایک کتاب کی شکل میں رُوداد سفر اثریات کو قلمبند کیا اِس وقت ہمارے سامنے مہم کے سربراہ WENDELL PHILIPS کی عظیم کتاب QATABAN AND SHEBA ہے اس میں ۷۸ فوٹوز اور کئی قیمتی نقشے ہیں سدِ مآرب کے باقی ماندہ حصّوں کی تصویر بھی شامل ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز ڈیم تھا عظیم گھڑے ہوئے صاف اور ہموار پتھروں کی دیواریں بند کے ساتھ کھڑی کردی گئیں تاکہ بند زیادہ سے زیادہ پانی کا دباؤ برداشت کرسکے یہ ایک راز ہے کہ بند کیسے ٹوٹا۔ دراصل سدِ مآرب ڈیموں کا ایک سلسلہ ہے اس کے رخنوں اور مرمّت

کا ذکر ڈیم پر نصب کردہ کتبات میں موجود ہے۔ یہ ڈیم مکمل طور پر کب ٹوٹا؟ یہ امر فیصلہ طلب ہے۔
پہلی دوسری یا تیسری صدی میں سدِ مآرب ٹوٹا، ۴۵۰ عیسوی اور ۵۴۲ عیسوی میں ٹوٹا۔ مختلف زمانوں کے بارہ میں علماء میں اختلاف ہے۔ قرآن میں اشارہ ہے کہ سبائی دور میں ڈیم ٹوٹا لہٰذا چھٹی صدی میں ایسے سینئی دور کی تاریخیں شاید درست نہ ہوں۔ یہ امر تاریخ قدیم سے ثابت ہے کہ غسّانی، جنوبی عرب کے ایک قبیلے کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ان کا سردار سدِ مآرب کے ٹوٹنے کے وقت یمن کو چھوڑ کر شام کے علاقہ حوران و بلقاء کی طرف نکل آیا تھا۔ اس کا فرزند جفنہ ملوک غسّان کا مورثِ اعلیٰ سمجھا جاتا ہے۔ بنی غسّان نے اپنا سن ہی سدِ مآرب کے ٹوٹنے کے سال سے شروع کیا تھا۔ اس حساب سے تیسری صدی عیسوی کا تعیّن ہوتا ہے۔ پروفیسر فلپ حتّی نے اس تاریخی شہادت کو بیان کیا[۱] اس کے باوصف بند کے ٹوٹنے والے چھٹی صدی عیسوی کا تعین کیا۔ یہ ایسے سینئی دور ہے جو کہ درست نہیں ہے قرآن کی رُو سے وہ سبائی دور تھا۔ بہرکیف یہ امر کہ سدِ مآرب کب ٹوٹا؟ قرآنی روشنی میں ابھی منکشف ہونے والا ہے۔

ملکہ سبا کا اعلانِ توحید

قرآن حکیم میں ہے کہ ملکہ سبا نے اپنے بُتوں کو چھوڑ کر اعلان کر دیا کہ مَیں توحید پر ایمان لاتی ہوں۔
قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔
(النمل ۴۵)

"تب وہ بولی اے میرے ربّ مَیں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور مَیں سلیمان کے ساتھ ربّ العالمین خدا پر ایمان لاتی ہوں"

اِسی اعلانِ توحید کا نتیجہ ہے کہ یمن میں چوتھی پانچویں صدی عیسوی کے ایسے کتبے ملے ہیں جن میں خدائے ارض و سما کی وحدت کا اقرار ہے[۲] یہ سٹیٹ کا مذہب تھا اِسی طرح عام قبیلہ نے "ذوسماوی" خدائے واحد کا اقرار کیا اور

---

[۱] تاریخ ملّتِ عرب اردو ترجمہ تاریخ عرب از پروفیسر فلپ حتی صفحہ ۹۹، ۱۰۰، ۱۱۷۔

[۲] IN THE 4TH AND 5TH CENTURIES A.D, A FEW SABAEAN INSCRIPTIONS APPEAR TO HAVE ASCRIBED ALL SUPREME FUNCTIONS TO ILAH, CALLING HIM MERCIFUL AND LORD OF HEAVEN ON EARTH.

دوسرے دیوتاؤں سے انکار کیا ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں اس نوع کے کتبات کا ذکر ہے (زیر لفظ عربیبیا صفحہ ۱۰۴۵)

"علماء کا یہ کہنا کہ جنوبی عرب کے مذہب و بُت پرستی میں ایک تبدیلی آگئی اور لوگ توحید یا نیم توحید کے قائل ہو گئے درست نہیں ہے یہ ملکہ سبا کے اعلانِ توحید کے باقیات ہیں جن کا کتبات میں ذکر ہے۔ یمن میں یہودی مذہب پھیلا۔ یہ بھی غالباً ملکہ سبا کے حوالے سے پھیلا تھا۔ اسلامی روایات میں ہے کہ ملکہ کا نام بلقیس تھا۔"

امریکی مہم کو جنوبی عرب میں ایک کتبہ ملا اس میں و ب ل ق س لکھا ہوا موجود ہے اسے شروع میں بلقیس سمجھا گیا لیکن جب کتبے کا سیاق وسباق پڑھا گیا تو بلقیس فِٹ نہیں آتا تھا اِس کے باوجود مہم کے لیڈر کا خیال ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ ملکہ کا نام بلقیس ہو یہ امر ابھی تک مشتبہ ہے۔

ذوالنّون

حضرت یونسؑ کو قرآنِ حکیم میں ذُوالنون کہا گیا یہ ایک ذُومعنی اور ذوالمعارف خطاب ہے عام مفسّرین اِس طرف گئے ہیں کہ

- نون کے معنے بڑی مچھلی کے ہیں۔ حضرت یونسؑ صاحب الحوت تھے اِس لئے ان کو ذوالنون کہا گیا۔
- نون کے معنی تلوار کی دھار اور تیزی کے ہیں حضرت یونسؑ چونکہ تقدیرِ الٰہی کو سمجھنے میں اجتہادی غلطی کر گئے وہ مغاضباً ہو گئے اِس لئے وہ ذوالنّون تھے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ فرماتے ہیں :-

"اور نون تیزی کو بھی کہتے ہیں اور مچھلی کو بھی۔" (تفسیر سورۃ مریم تا عنکبوت صفحہ ۸۳)

- تیسرے معنے آثارِ قدیمہ کے حوالے سے نکلے ہیں۔ ذوالنون کے معنے ہیں نون بستی والا۔ خلیجِ فارس کے شمالِ مغرب میں ایک قدیم بستی کا نام نون تھا۔ اساطیر بابل میں ہے کہ ایک ریفارمر جو کہ صاحب الحوت تھا اُس کا نصف دھڑ مچھلی کا اور اُوپر کا نصف دھڑ انسان کا تھا۔ خلیجِ فارس سے نکل کر انسانوں کو تعلیم دیتا تھا اس کا نام OANNES اوانس تھا۔ علماء کہتے ہیں کہ اِس داستان میں قصّہ یونس کی پرچھائیں موجود ہیں۔

نون ایک مذہبی مرکز تھا اِس بستی کا لوگوں میں اِس درجہ احترام تھا کہ وہ مانتے تھے کہ طوفان کے بعد نون بستی میں آسمان سے خدا کی بادشاہی اُتری اِس طرح یہ سرزمین مکرم ومحترم ہو کر آبادی سے معمور ہو گئی۔

اِس روایت کا ذکر آج سے ۲۳۰۰ سال پہلے کے بابلی کاہن اور مؤرّخ BEROSUS نے کیا ہے۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یونسؑ نون بستی کے پیغمبر تھے جیسا کہ بائیبل کا ادّعا ہے کہ وہ اشوریوں کے شہر اور غیر قوم کی طرف مبعوث ہوئے یہ بات درست نہیں ہے وہ غیر قوم کی طرف نہیں بلکہ اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ قرآن کریم میں بعثتِ یونسؑ کے لئے "اِلٰی قَوْمِہٖ" کے الفاظ ہیں۔

بائیبل میں ہے کہ یونس عبرانی تھے لیکن وہ آشوری دارالخلافہ نینوٰی کی طرف مبعوث ہوئے جس کی آبادی کم وبیش چھ لاکھ تھی کیونکہ اس میں بچّے ہی ایک لاکھ بیس ہزار سے اُوپر تھے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ ایک لاکھ سے اُوپر آبادی والی بستی تھی۔ اِس لحاظ سے بھی نینوٰی نہیں بلکہ حضرت یونسؑ کا مقامِ بعثت نون بستی قرینِ قیاس ہے۔ نون طوفان کے بعد سب سے پہلا مذہبی مرکز تھا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یونسؑ نون بستی کی طرف مبعوث ہوئے لیکن ان کی وفات نینوٰی میں ہوئی۔ نینوٰی میں نبی یونسؑ کا مزار ایک ٹیلے پر ہے اِس لحاظ سے یونسؑ کو پیغمبرِ نینوٰی بھی کہہ سکتے ہیں جیسا کہ بعد میں مشہور ہو گیا۔

پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ دجلہ کے سواحل سے OANNES (اوانس) کی تمثال ملی ہے یہ ایک مورتی کی شکل میں ہے اُوپر کا دھڑ ایک ریفارمر اور بزرگ انسان کا ہے چہرے پر ریشِ مبارک ہے کندھوں تک زُلفیں ہیں سر پر مزیّن ٹوپی گویا تاجِ فضیلت ہے نچلا دھڑ ایک بڑی مچھلی کا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک فرستادہ مچھلی کے وجود سے EMERGE (ہویدا) ہو رہا ہے علماء کہتے ہیں کہ امکان ہے کہ یہ یونسؑ نبی کی تمثال ہو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ مچھلی والا واقعہ کہاں پیش آیا؟ اِس سلسلہ میں واضح رہے کہ انسانوں کو نگلنے اور اُگلنے والی ایک خاص نوع کی مچھلی ہوتی ہے اسے SPERM (وہیل) کہا جاتا ہے اس کا سر بہت بڑا ہوتا ہے دھڑ کے ایک تہائی کے برابر۔ یہ قسم گہرے سمندروں میں ہوتی ہے۔

اوّانس کی داستان سے معلوم ہوتا ہے کہ مچھلی والا واقعہ خلیجِ فارس میں پیش آیا تھا اس کے کنارے موجودہ کویت کے شمال میں ابوشیرین ہے زمانہ قدیم میں اِسے نون بستی کہتے تھے۔ بہرکیف ذُوالنّون کے معنوی اسرار قرآن کی روشنی میں منصّۂ شہود پر آ رہے ہیں۔ اب یونس نبی کو داستانوں کی پرچھائیں سے باہر نکالنا ایک عظیم الشان کام ہے جو کہ کرنا باقی ہے۔

ذُوالقرنین

بائیبل کے صحیفہ یسعیاہ میں ہے کہ سائرس شہنشاہِ فارس کو ایک خطاب سے یاد کیا گیا۔ وہ کیا ہے؟ اس کی تفصیل درج نہیں۔ قرآن حکیم نے بتایا کہ دُنیائے قدیم کے اِس فرشتہ سیرت اور نیک دل بادشاہ کا خطاب ذُوالقرنین تھا یعنی دُوسینگوں والا۔ یہ کون تھا؟ ایران کی کھُدائیوں میں اصطخر کے مقام سے ایک فرشتہ سیرت

بادشاہ کی تمثال ملی ہے اس کے بائیں کندھے کے ساتھ سر تا پا ۲ عظیم ملکوتی پنکھ دکھائے گئے ہیں۔ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر ایستادہ ہے اور ایک فرمان پڑھ رہا ہے اس کے سر پر ۲ سینگ ہیں ان پر ایک مشترکہ تاج مزیّن ہے۔ علماء کا خیال ہے کہ یہ سائرس کی تمثال ہے۔ اس نے چونکہ ماداو فارس کی ۲ متحارب حکومتوں کو ایک تاج کے نیچے یکجا کر دیا اِس لئے اس کے سر پر ۲ سینگ اور ان کے اُوپر ایک تاج دکھایا گیا۔ یہ گویا ذُوالقرنین کی سیاسی اور معنوی تصویر ہے۔ فرشتوں کے سے پنکھ ظاہر کرتے ہیں کہ ذوالقرنین قوموں کے لئے فرشتوں کے سے خصائل کا حامل تھا۔ اِس تمثال سے قرآنِ حکیم کی تائید ہوتی ہے۔

تمثال کے لئے ملاحظہ ہو :- ANCIENT PERSIA AND IRANIAN CIVILIZATION BY CLEMENT HUART LONDON 1927, 1972 P.87

ذُوالکِفل

قرآنِ حکیم میں ایک صابر پیغمبر کو ذوالکفل کہا گیا اس پیغمبر کی تلاش جاری ہے۔ بیشتر علماء کا خیال ہے کہ اِس سے مراد حزقی ایل نبی ہیں۔ بعض نے کفل اور کپل کو مترادف سمجھا اور کپّل وستُو کا ریفارمر گوتم بدھ مراد لیا ہے۔ حضرت مصلح موعود نے حزقی ایل ہی مراد لیا ہے۔ قرائن اِس تعیین کے حق میں ہیں۔ اِس تحقیق میں تاریخی پس منظر کو پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

حزقی ایل کے دَور میں بنی اسرائیل جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حزقی ایل نبی کو اسرائیل کے گھرانے کا کفیل، پاسبان اور نگہبان بنایا گیا اور اس میں یہاں تک تشدید تھی کہ اگر ایک آدمی بھی انتباہ کے بغیر گناہ کی حالت میں مر گیا تو اس کی باز پُرس خدا نے کہا

"اے حزقی ایل میں تجھ سے کروں گا۔" (حزقی ایل ۳/۱۶-۱۸، ۳۳/۷-۸)

بنی اسرائیل کی تاریخ میں کسی پیغمبر کو یہاں تک پابندِ کفالت نہیں کیا گیا تھا اِس وجہ سے حزقی ایل ذوالکفل کہلائے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں وہ دفن ہوئے اِس جگہ کا نام کفیل پڑ گیا۔ حزقی ایل کے ایک سے زائد مزار مشہور ہیں۔ جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ ان کا اصل مزار وہ ہے جو عراق میں نہر ہندیہ کے کنارے واقع ہے اس مقام کو تاریخ میں کفیل کہا گیا ہے۔ بارھویں صدی میں یہاں ایک یہودی لائبریری تھی۔ قرآن حکیم نے ذُوالکفل میں یہ اشارہ کیا ہے کہ کفیل مقام پر جو پیغمبر آسُودہ خواب ہے وہی دراصل ذوالکفل ہے دوسرے مزار درست نہیں ہیں۔

عبرانی میں کفل کے معنے A DOUBLING, THE DOUBLE, TWICE یعنی دوچند کے ہیں۔ عربی میں کئی معانی ہیں ایک معنے الضِعف من الاجر او جزاء کے ہیں۔ حزقی ایل کی ایک خصوصیّت یہ ہے کہ وہ

TWOFOLD MINISTERY والے پیغمبر تھے۔ یروشلم میں مبعوث ہوئے جلاوطنی میں بابل گئے اِس طرح یروشلم اور بابل کے پیغمبر تھے۔ ان کا مشن دوچند اور دوگونہ تھا اِس لحاظ سے بھی وہ ذوالکفل تھے۔

اصحٰب الکہفِ والرّقیم

قرآن حکیم نے اصحٰب الکہفِ والرّقیم کا ذکر کیا ہے یعنی غاروالے اور صحیفے رقم کرنے والے۔ ان کو حِزْبَیْن قرار دیا یعنی ان کے دو گروہ تھے دوسرے گروہ سے لوگ واقف تھے یعنی روم کے کیٹا کومبز میں پناہ لینے والے عیسائی لیکن پہلے گروہ سے کوئی واقف نہیں تھا ۱۹۴۷ء میں یروشلم سے پندرہ میل مشرق میں وادیٔ قمران کے غاروں کا انکشاف ہوُا یہاں کے باسیوں کو PEOPLES OF CAVES AND SCROLLS کا نام دیا گیا ہے کیونکہ ان کے رقم کردہ صحائف غاروں میں سے سینکڑوں کی تعداد میں ملے۔ ان کے مشن ہاؤس اور دارالاقامہ کا انکشاف ہوُا۔ وہ غاریں ملیں جن میں قرنِ اولیٰ کے صلحاءِ اُمّت رہا کرتے تھے۔ غاروں اور ان کے نواح سے پُرانے سکّے بلکہ سکّوں سے بھرا ہوُا مٹکا دستیاب ہوُا۔ ان کے لٹریچر میں ایک صادق استاد او رفرستادۂ حق کا تکرار ذکر ہے جو موت کے مُنہ سے بچایا گیا۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سے مراد حضرت مسیح ناصریؑ کا وجود ہے۔

الغرض اصحٰب الکہف والرقیم کے دونوں گروہوں کا انکشاف قرآنی صداقت کا واضح ثبوت ہے۔

ربوۃ ذات قرارٍ ومعین

قرآن میں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام رسولاً اِلیٰ بنی اسرآءیل تھے اور بنی اسرائیل کے اسباط دُنیا میں مُنتشر ہیں۔ حضرت عیسٰی اور ان کی والدہ کو بلند جگہ پر پناہ دی گئی جو کہ سرسبز وشاداب ہے اور جہاں چشمے جاری ہیں۔

بھوشیہ مہاپران میں ہے کہ حضرت موسٰیؑ کے پیرو ہندوستان میں برہمنی علاقوں کے ماسوا سارے جگت (یعنی شمال مغربی علاقوں) میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اِسی پران میں عیسٰی مسیح اور راجہ شالباہن کا مکالمہ درج ہے اور یہ ذکر ہے کہ عیسٰی مسیح ہجرت کر کے ہمالہ دیش میں آگئے تھے وہ کنواری کے بطن سے پیدا ہوئے ان کا مشن محبّت، صداقت اور تزکیۂ قلوب تھا ان کے ہاتھ میں ایک الہامی صحیفہ تھا۔ وہ یہاں پورے طور پر آباد ہوگئے۔

بنی اسرائیل کے اسباط عشرہ ہندوستان کے شمال مغرب میں آباد ہوئے اور حضرت مسیح ان کی ہدایت کے لئے کنعان سے بلادِ شرقیہ میں وارد ہوئے۔ تاریخ کا یہ ایک بہت بڑا راز ہے اس کی تائید میں بیسویں صدی کے وسط میں ایک انکشاف ہوُا ہے اور وہ ہے ایران میں ساسانی دَور کے کتبوں کا پڑھا جانا۔ تیسری صدی کے

ان کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھوں اور برہمنوں کے بلاد میں بنی اسرائیل بڑی کثرت سے آباد ہیں اور ان میں اُمّتِ ناصرا پیدا ہوگئی یعنی نصارٰی معرضِ وجود میں آئے۔ اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کتباتِ ایران میں مذہب زرتشت کے علاوہ شرقاً غرباً مذاہب کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل بلادِ شرقیہ میں اتنی اہمیّت رکھتے تھے کہ اول الذکر جس مذہب کا ذکر کیا گیا وہ یہودی ہے دوسرے بدھ تیسرے برہمن چوتھے ناصرا یعنی نصارٰی اور مغرب کے عیسائیوں کو کلسچین یعنی کرسچین کہا گیا۔ یہ کتبے ثبوت ہیں اِس امر کا کہ یہودی بلادِ شرقیہ میں آباد تھے۔ ان علاقوں میں تھے جن میں بدھ اور برہمن آباد ہیں اور پھر اُمّتِ ناصرا پیدا ہوئی جبکہ مغرب کے عیسائی کرسچین کہلائے۔

وہ کونسا انقلاب آیا جس کے باعث بلادِ شرقیہ میں یہودی آباد ہوگئے؟ اور پھر اُمّتِ ناصرا پیدا ہوگئی؟ اِس سوال کے جواب کے لئے کسرِ صلیب کی تحقیق ممد ہوسکتی ہے۔ ایران کے کتبات کو کسرِ صلیب کی روشنی میں دیکھنے اور جانچنے کی ضرورت ہے۔

تورات اور انجیل کے حوالے

قرآن حکیم میں صحفِ سماوی کے بعض حوالے درج ہیں جو مروجہ متن میں ناپید ہیں۔ مثلاً " ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ " کے حوالے سے جو بات کہی گئی ہے وہ تورات میں نہیں ملتی۔ قَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ کا حوالہ یہودی لٹریچر میں ناپید ہے اور اِسْمُهٗ اَحْمَدُ والا حوالہ انجیل میں نہیں ہے۔ اِس سلسلہ میں بعض انکشاف قابلِ توجہ ہیں جن سے قرآن حکیم کے حوالہ کی تصدیق ہوتی ہے۔

تورات کی کتاب استثناء کے آخر میں دس ہزار قدوسیوں کا ذکر ہے۔ اِس بشارت میں ایک لفظ اشداتھ ہے جسے آج تک توڑ کر پڑھا جاتا تھا یعنی " اش " کو الگ کرلیا اس کے معنی آگ کے ہیں اور " داتھ " فارسی دَور کا لفظ ہے اسے الگ پڑھا گیا اس کے معنی قانون کے ہیں اس طرح " اشداتھ " کے معنی ہوگئے " آتشی شریعت "۔ اب علماء کہتے ہیں کہ موسوی دَور میں داتھ کا لفظ تھا ہی نہیں یہ فارسی دَور میں آیا اِس لئے اشداتھ کو توڑنے کی ضرورت نہیں یہ ایک ہی لفظ ہے اس کے معنی قوی، مضبوط اور لڑنے والوں کے ہیں۔

یہواہ وِٹ نَس کے شائع کردہ نیو ورلڈ ٹرانسلیشن میں اشداتھ کے معنی مردانِ غازی کے کئے گئے ہیں۔

یہودیوں کے چیف ربّی نے ۱۹۳۶ء میں تورات کا عبرانی متن اور اس کا انگریزی ترجمہ ایڈٹ کرنے کے بعد شائع کیا۔ اشداتھ کے لفظ پر نوٹ ہے:۔

" مسورا ہی علماء نے اِس لفظ کو توڑ کر پڑھا ہے اب بیشتر علماء اس کے خلاف ہیں کیونکہ وہ اسے مرکّب لفظ نہیں سمجھتے اِس کی وجہ یہ ہے کہ داتھ بمعنی شریعت توراۃ کی زبان نہیں بلکہ زمانہ

مواخر کا لفظ ہے ..... نتیجۃً بہت سے مترجم اشداتھ کو ایک مستقل لفظ سمجھتے ہیں "۔
(نوٹ استثناء ۳۳/۲)

بشارت توراۃ کا ترمیم شدہ ترجمہ اس طرح کیا جائے گا :-

" وہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اس کے داہنے ہاتھ ان کے (اشداتھ یعنی) لڑنے والے جمع ہوئے "۔ اِس میں اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا ذکر موجود ہے۔

دوسرا فقرہ اف حبب عمیم ہے۔

اف کے معنی ہیں بلکہ

حبب محبّت کرنے والا

عمیم لوگ۔ اُمّت

یہودیوں کی تورات میں

LOVER, INDEED OF THE PEOPLE

ترجمہ دیا گیا اور نیچے نوٹ ہے :

THE TEXT AND MEANING ARE ABSCURE

میرے خیال میں اِس فقرہ کا ترجمہ بہ آسانی یہ ہو سکتا ہے :-

" بلکہ وہ محبّت کرنے والی اُمّت ہے "۔

یہ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا مفہوم ہے۔

اِس ترجمہ کی تائید کے لئے ایک مضبوط قرینہ موجود ہے۔ تورات میں پیغمبرِ فاران کے صحابہ کے جو اوصاف بیان ہوئے ہیں ان کو انبیاء بنی اسرائیل دُہراتے رہے۔ اِس صدائے بازگشت میں قرآن حکیم کی تائید ہوتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ تورات کا مروّجہ متن اور ترجمہ درست نہیں۔

زبور میں آنے والے عظیم الشان پیغمبر کا ذکر ان الفاظ میں ہے :- " تُو ایسا امام ہے جس کے زمانہ کی انتہا نہیں "۔ پھر ذکر ہے اس کی اُمّت کے افراد ایک طرف مردانِ غازی ہیں دوسری طرف شبنم کے قطرے۔

" تیرے لوگ تیری جنگی قوّت کے دن میں خود کو رضا کارانہ طور پر تقدیس کی شان و شوکت میں پیش کریں گے بطنِ صبح میں سے تُو نے اپنے جوانوں کی جمعیت کو پا لیا۔ وہ بالکل ایسے ہیں جیسے قطراتِ شبنم "۔

(زبور ۱۱۰/۳ ترجمہ نیوورلڈ ٹرانسلیشن ۱۹۶۱ء)

ظاہر ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ کا حوالہ اِس بشارت میں موجود ہے یہ بشارت

تورات کے حوالے کی صدائے بازگشت ہے۔

اِسْمُہٗ اَحْمَد کی بشارت کے لئے صحیفۂ دمشق کا انکشاف ہوُا۔ یہ قاہرہ قدیم کے ہیکل عزرا سے ملا ہے یعنی اس ہیکل سے وابستہ مدفن صحائف سے دستیاب ہوُا۔ اِس صحیفہ کے شروع میں ہے "اور خدا مسیح کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایک مقدّس رُوح کی خبر دی یہ وہ ہے جو کہ ایمتھ (EMETH) ہے اور اس نام کے معنوں کے مطابق اور لوگوں کے نام ہوں گے"۔ عبرانی کا ایمتھ اور عربی کا احمد صوتی اور معنوی لحاظ سے ہم آہنگ ہے۔

ایمتھ کے معنی ایسی ہستی کے ہیں جو سچّائی اور خوبی کا پیکر ہو۔ احمد کے معنی سراپا ستائش کے ہیں۔ ظاہر ہے احمد عبرانی میں ایمتھ ہے ایمتھ کی خبر مسیحا نے دی۔ اِس حوالے میں اِسْمُہٗ اَحْمَد کی جھلک موجود ہے۔

اسماء الانبیاء فی القرآن

قرآن حکیم میں اسماء الانبیاء پر مستشرقین معترض تھے۔ ان کے نزدیک اصل نام یشرائیل، یسماعیل، دیود وغیرہ ہیں۔

قرآن میں اسرائیل، اسماعیل اور داؤ د وارد ہوُا ہے۔ ان کا ادّعا ہے کہ یہ درست نہیں ہے۔

ایبلا کے آثار میں اسماء کی قرآنی صورت مل گئی ہے۔

اسرائیل، اسماعیل، داؤد، عیساؤ کے تلفّظ میں نام ملے ہیں یہ نام گویا بہت پُرانے ہیں لوگ زمانۂ قدیم سے رکھتے آئے۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ فرماتے ہیں:۔

"عیسیٰ نام ایک پُرانا نام ہے"۔ اِس کا ثبوت مِل گیا ہے۔

دُور اَندیشی

کیسا پڑے گا وقت کسی کو نہیں خبر
اچھے، بُرے دنوں کے نتائج پہ ہو نظر

تیّار رہنا چاہیئے ہر حال کے لئے
ناقابلِ قبول نہ ہو کوئی بھی اثر

ہم گر سمجھ سکیں کہ خدا ہے ہمارے ساتھ
غم پاس اُس کے نہ ہمیں ہو کسی کا ڈر

تقوٰی کی راہگذر ہو اگر شاہراہِ زیست
امن و اماں کی گود میں کٹتا رہے سفر

سر دُھول سے اَٹا ہو منازل کے پیار میں
ہر گام آہوں نے بنایا ہو معتبر

آسائشوں کے دِن ہوں نہ آئیں مصیبتیں
اللہ کی پناہ میں رہیں، قصّہ مختصر

نسیم سیفی

تحریکِ جدید کا جہادِ کبیر

(محترم چوہدری شبیر احمد صاحب نائب صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ)

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت المصلح الموعود امام جماعت احمدیہ کو ۱۹۳۴ء میں مخالفتوں کے طوفان کے مقابلہ پر جو بابرکت آسمانی منصوبہ القاء فرمایا اسے حضور نے جہادِ کبیر کا نام دیا۔ فرمایا:۔

"تحریکِ جدید کا جہادِ کبیر وہ شان رکھتا ہے کہ اس میں اخلاص سے حصّہ لینے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے قُرب کا مقام عطا فرمائے گا"

یہ جہاد کئی پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ جہاد بالنفس بھی اس میں شامل ہے اور جہاد بالمال بھی۔ بہر حال جہاد کے جتنے پہلو بھی اس میں شامل ہیں ان میں سے ہر ایک پہلو کی ایک مشترکہ صفت "اخلاص" ہے۔

اخلاص کے کیا کیا تقاضے ہیں؟ یہ سوال ہے جو اس وقت زیرِ غور ہے۔ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے اگر نیت میں خلوص ہے تو نتائج کا بابرکت ہونا یقینی امر ہے۔ اس مبارک حدیث میں خلوصِ نیت کی نشاندہی یوں فرمائی گئی ہے کہ اصل مقصود و مطلوب خدا تعالیٰ کی خوشنودی ہونا چاہیئے۔ پس خلوصِ نیت کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ جس کام کی نیت کی جائے وہ کام محض لِلّٰہ کیا جائے اس میں کوئی ذاتی منفعت یا دکھاوا مدِّ نظر نہ ہو۔

اخلاص کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ جو کام بھی سپرد ہو اس میں اس کی تکمیل کے لئے پورا زور صرف کیا جائے۔ تمام استعدادیں بروئے کار لائی جائیں۔ طاقت سے کم زور لگانا اخلاص کے منافی ہے اِسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہے "اَعِدُّوْا لَھُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّۃٍ"

اخلاص کا تیسرا تقاضا یہ ہے کہ مفوّضہ فرائض ادا کرتے وقت جن احکامات کی فرمانبرداری لازمی ہے ان کو کُلّی طور پر لازمی سمجھتے ہوئے اطاعت کے جذبہ کو عروج تک پہنچایا جائے یہ نہ سمجھا جائے کہ جزوی طور پر اطاعت کافی ہے جزوی اطاعت بھی اخلاص کے منافی ہے اِسی لئے قرآنِ مجید میں مومنوں کا شیوہ بیان کیا گیا ہے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا۔

اخلاص کا چوتھا تقاضا یہ ہے کہ فراست سے کام لیتے ہوئے منفی رَو پر نظر رکھی جائے اور منزلِ مقصود تک پہنچنے میں جس قدر روکیں واقع ہو سکتی ہیں ان کا دلیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے ان کو بروقت عبور کیا جائے۔ کسی مخالف رَو یا طعن وتشنیع کے خدشہ سے ہار تسلیم کر لینا بھی اخلاص کے منافی ہے اِسی لئے قرآن مجید میں مومنوں کا شیوہ یوں بیان کیا گیا ہے لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔

اِس وقت ہمارے پیشِ نظر تحریکِ جدید کا جہادِ کبیر ہے۔ آئیے دیکھئے اخلاص کے مذکورہ تقاضوں کو ہم اِس جہادِ کبیر میں کیسے پورا کر سکتے ہیں۔

اِس جہادِ کبیر کا ایک حصہ یہ ہے کہ ہم صحابہؓ کی طرح سادہ زندگی گذاریں۔ فضول خرچیوں سے بچیں اور رسومات ترک کر دیں۔ اِس طرح کی زندگی گذارنے میں اصل مقصد خدا کی خوشنودی ہو تو کوئی دوست رشتہ دار اس میں حائل نہیں ہو سکتا۔ رسومات ترک کرتے وقت کسی کی طعن وتشنیع یا ملامت ہم پر قطعاً اثر انداز نہیں ہو سکتی بہرحال ہم اپنی پوری کوشش اس میں صرف کریں گے تو اخلاص کا تقاضا پورا ہوگا۔

اِس جہادِ کبیر کا ایک حصہ مالی جہاد کا ہے۔ اخلاص کا تقاضا ہے کہ ہم دکھاوے کے لئے نہیں بلکہ محض لِوجہ اللہ قربانی پیش کریں اور ایسی قربانی پیش کریں جو ہماری استطاعت سے کم نہ ہو۔ اگر ایسی قربانی کرنے سے ہماری کوئی ضروریات ملتوی ہوتی ہوں تو ہم اس کی قطعاً پرواہ نہ کریں دین کو بہرحال ہم دُنیا پر مقدم رکھیں گے اخلاص میں اطاعت کا پہلو ایک احمدی کو مکلف کرتا ہے کہ مالی قربانی کے سلسلہ میں جو ہمارے محبوب ائمہ اور مشاورت کی طرف سے آداب مقرر کئے گئے ہیں ان کے مطابق قربانی پیش کی جائے۔ مثلاً کسی بچے یا خاتون کا وعدہ ۲۴/- روپیہ سے کم نہ ہو اور ہر کمانے والے کا وعدہ اس کی ماہوار آمد کے کم ازکم پانچویں حصہ کے برابر ہو۔ اِس قِسم کی قربانی خلوصِ نیّت کی مظہر ہوگی اور اِسی قِسم کی قربانی اللہ تعالیٰ کا قُرب عطا کر سکے گی جس کا ذکر ہمارے محبوب امام حضرت فضلِ عمرؓ نے تحریکِ جدید کو ایک جہادِ کبیر قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس ملاحظہ ہو۔

پس اے احمدی بھائیو اور بہنو اور بچو تحریکِ جدید کی قربانی آپ کو خدا کا قُرب عطا کرنے کے لئے مقرر کی گئی ہے بشرطیکہ اس کے مقررہ قواعد کے مطابق قربانی پیش کی جائے۔ اپنے محبوب امام کی آواز پر غور کرو۔ فرمایا "اگر تم نے احمدیت کو دیانتداری سے قبول کیا ہے تو اے مردو اور اے عورتو تمہارا فرض ہے کہ تحریکِ جدید کے اغراض ومقاصد میں میرے ساتھ تعاون کرو۔ زمین وآسمان کا خدا گواہ ہے کہ جو کچھ مَیں کہہ رہا ہوں اپنے نفس کے لئے نہیں کہہ رہا خدا تعالیٰ اور (دینِ حق) کے لئے کہہ رہا ہوں محمد رسول اللہ کے لئے کہہ رہا ہوں تم آگے بڑھو اور اپنا تن، مَن، دھن خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قربان کر دو۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر دل وجان سے لبیک کہنے کی توفیق بخشے۔ آمین

مجلس عاملہ انصار اللہ مرکزیہ برائے سال ۱۳۶۷ہش ۱۹۸۸ء

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے برائے سال ۱۳۶۷ہش ۱۹۸۸ء مندرجہ ذیل مجلس عاملہ انصار اللہ مرکزیہ کی منظوری دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو احسن رنگ میں خدمت دین اور سلسلہ کا کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ۔ ربوہ)

اراکینِ خصوصی

۱۔ مکرم ومحترم مرزا عبد الحق صاحب
۲۔ 〃 〃 چوہدری احمد مختار صاحب
۳۔ 〃 〃 چوہدری محمد انور حسین صاحب
۴۔ 〃 〃 صاحبزادہ مرزا منور احمد صاحب
۵۔ 〃 〃 حضرت مولوی محمد حسین صاحب
۶۔ 〃 〃 شیخ مبارک احمد صاحب امریکہ
۷۔ 〃 〃 سوہن ہنسن صاحب ڈنمارک
۸۔ 〃 〃 عبد الوہاب بن آدم صاحب غانا
۹۔ 〃 〃 چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ سوئٹزرلینڈ
۱۰۔ 〃 〃 چوہدری ہدایت اللہ صاحب بنگوی انگلستان
۱۱۔ 〃 〃 مظفر احمد صاحب ظفر امریکہ
۱۲۔ 〃 〃 مصطفےٰ ثابت صاحب کینیڈا
۱۳۔ 〃 〃 شریف احمد صاحب لُوبس انڈونیشیا
۱۴۔ 〃 〃 ہبتہ النور فرحاغن صاحب ہالینڈ
۱۵۔ 〃 〃 عبد السلام صاحب میڈسن ڈنمارک

عہدیداران

۱۔ نائب صدر اوّل	مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب
۲۔ نائب صدر صف دوم	" صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب
۳۔ نائب صدر	" چوہدری شبّیر احمد صاحب
۴۔ قائد عمومی	" میجر عبدالقادر صاحب
۵۔ قائد تعلیم	" منور شمیم صاحب خالد
۶۔ قائد تربیت	" محمد اسلم شاد منگلا صاحب
۷۔ قائد تجنید	" محمد اسلم صاحب صابر
۸۔ قائد ایثار	" ڈاکٹر لطیف احمد صاحب قریشی
۹۔ قائد اصلاح وارشاد	" محمد اسمٰعیل صاحب منیر
۱۰۔ قائد ذہانت وصحتِ جسمانی	" صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب
۱۱۔ قائد مال	" عبدالرشید غنی صاحب
۱۲۔ قائد وقفِ جدید	" مرزا مجدالدین ناز صاحب
۱۳۔ قائد تحریکِ جدید	" ملک منور احمد صاحب جاوید
۱۴۔ قائد اشاعت	" صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب
۱۵۔ قائد مجالس بیرون و قلمی دوستی	" صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب
۱۶۔ آڈیٹر	" قریشی محمد عبداللہ صاحب
۱۷۔ زعیمِ اعلیٰ ربوہ	" اللہ بخش صادق صاحب

اسپرٹ پالش بنانے کا طریقہ

اجزاء :- اسپرٹ (METHYLATED SPIRIT) ایک بوتل
دانہ لاکھ ۱/۲ ۱ چھٹانک = سندرس ۱/۲ چھٹانک

ترکیب :- بوتل سے تھوڑی اسپرٹ نکال لیں تاکہ دانہ لاکھ اور سندرس ڈالنے سے ضائع نہ ہو ۔ سندرس کو دانہ لاکھ کے برابر کوٹ لیں اب دانہ لاکھ اور سندرس کو اسپرٹ کی بوتل میں ڈال لیں اور دو تین منٹ ہلاتے رہیں ۔ ڈھکن یا کارک مضبوط بند رہنا چاہیئے ۔ چار پانچ گھنٹوں میں اسپرٹ تیار ہو جائے گی ۔

فرنیچر پالش کرنے کا طریقہ :- پختہ لکڑی یا کچی لکڑی کی دراڑیں اور گڑھے پٹین سے بھریں خشک ہونے پر ریگمال کریں ۔

(الف) پختہ لکڑی پر اگر رنگ ظاہر کرنا مقصود ہو تو مندرجہ بالا اسپرٹ پالش میں چائے کا ایک چمچ راسینا یا براؤن سینا ڈال کر حل کریں ۔

(ب) کچی لکڑی پر اگر رنگ ظاہر کرنا مقصود ہو تو اسپرٹ پالش میں چائے والا ایک چمچ راسینا یا براؤن سینا کے علاوہ تھوڑی سریش بھی حل کریں ۔

(ج) پہلے سے پالش شدہ فرنیچر کو چمکانے کے لئے پہلے ریگمال کر کے مٹی وغیرہ خوب صاف کریں اس میں اسپرٹ ، دانہ لاکھ اور سندرس کا محلول ہی کافی ہوگا ۔

اسپرٹ پالش لکڑی پر لگانے کا طریقہ :- اسپرٹ پالش کا تھوڑا سا محلول کسی پیالی میں نکال لیں پھر ململ یا صاف سوتی کپڑے پر پالش لگا کر کسی بھی فرنیچر کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہی دفعہ پالش کریں دوسرا کوٹ مت کریں اور سکھا لیں ۔

ہاتھوں اور انگلیوں پر لگی ہوئی پالش پٹرول ملنے سے فوراً دور ہو جاتی ہے ۔

اگر پالش بچ جائے تو مضبوط ڈھکن یا کارک لگا کر رکھ دیں سالہا سال کام کے قابل رہتی ہے ۔

(شیخ محمد اجمل ——— کوئٹہ)

○

افکارِ معاصرین ــــ بقیہ صـ۶

ہماری قومی سلامتی کو جو خطرات درپیش ہیں ان کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اِس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے اور جمہوریت میں اسلام۔ پارلیمانی اور صدارتی نظام کے سلسلے میں بھی اسلامی اور غیر اسلامی کی بحث بے کار ہے۔ صدارتی نظام بے شک اسلام کے زیادہ قریب ہے لیکن صوبوں کی موجودگی میں وہ غیر موزوں ہے اور توازن پیدا کرنے کے لئے وزیرِ اعظم کا وجود مصلحت کا تقاضا ہے۔ اگر ہم اسلام کو بنیاد بنا کر پارلیمانی نظام پاکستان کی دَورِ حاضر کی ضروریات اور تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے نافذ کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم حقیقت پسند قوم ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اگر کوئی شے غیر جمہوری اور غیر اسلامی ہے تو وہ آمریت ہے خواہ وہ عسکری ہو یا غیر عسکری، باوردی ہو یا بے وردی۔ صدرِ محترم اِس حقیقت کا ادراک جتنی جلدی فرمالیں قوم کے ہی نہیں ان کے حق میں بھی اتنا ہی بہتر ہے۔"

(اداریہ نوائے وقت لاہور ۳ فروری ۱۹۸۸ء صـ۳)

تحریکِ وقفِ نَو

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ر اپریل ۱۹۸۷ء میں سلسلہ کی آئندہ صدی کی ضروریات کے لئے "وقفِ نَو" کی تحریک فرمائی ہے۔ حضور اپنے اس خطبہ جمعہ میں فرماتے ہیں:۔

"آئندہ سو سالوں میں جس کثرت سے   نے ہر جگہ پھیلنا ہے وہاں لاکھوں تربیت یافتہ غلام چاہئیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کے غلام ہوں۔ واقفینِ زندگی چاہئیں کثرت کے ساتھ اور ہر طبقۂ زندگی سے واقفین چاہئیں ہر ملک سے واقفینِ زندگی چاہئیں۔"

نیز فرمایا:۔

"مجھے خدا نے یہ توجہ دلائی ہے کہ میں آپ کو بتا دوں کہ آئندہ دو سال کے اندر یہ تہیہ کر لیں کہ جس کو بھی جو اولاد نصیب ہوگی وہ خدا کے حضور پیش کر دے گا اور اگر آج کچھ مائیں حاملہ ہیں تو وہ بھی اس تحریک میں شامل ہو جائیں اور وہ بھی یہ عہد کر لیں۔ لیکن ماں باپ کو مل کر فیصلہ کرنا چاہیئے اور بچپن سے ہی ان کی اعلیٰ تربیت شروع کریں۔"

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی یہ تحریک جہاں جماعت کے لئے عظیم الشان بشارت اپنے اندر رکھتی ہے کہ آئندہ صدی غلبۂ دینِ حق کی صدی ہے اس کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے لئے ہمیں ہزاروں نہیں لاکھوں ایسے افراد چاہئیں جنہوں نے اپنی زندگیاں دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کی ہوں۔

ناظمینِ اضلاع و زعماء انصار اللہ کی خدمت میں درخواست ہے کہ براہِ مہربانی آپ اِس طرف توجہ فرمائیں اور "وقفِ نَو" کی جماعت میں تحریک فرمائیں کہ جماعت کے مخلصین سلسلہ کا درد رکھنے والے افراد حضور کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنے نومولود اور اپنے پیدا ہونے والے بچوں کو اپنے آقا کی خدمت میں وقف کے لئے پیش کریں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

(وکیل الدیوان تحریکِ جدید ربوہ)

"رَبّ کی عنایتوں کی خوشبو"

"دعا اور اس کی قبولیّت کے زمانہ کے درمیانی اوقات میں بسا اوقات ابتلاء پر ابتلاء آتے ہیں اور ایسے ایسے ابتلاء بھی آجاتے ہیں جو کمر توڑ دیتے ہیں مگر مستقل مزاج سعید الفطرت ان ابتلاؤں اور مشکلات میں بھی اپنے رَبّ کی عنایتوں کی خوشبو سُونگھتا ہے اور فراست کی نظر سے دیکھتا ہے کہ اس کے بعد نصرت آتی ہے۔ ان ابتلاؤں کے آنے میں ایک سِرّ یہ بھی ہوتا ہے کہ دعا کے لئے جوش بڑھتا ہے کیونکہ جس جس قدر اضطرار اور اضطراب بڑھتا جاوے گا اسی قدر رُوح میں گدازش ہوتی جائے گی اور یہ دعا کی قبولیّت کے اسباب میں سے ہیں پس کبھی گھبرانا نہیں چاہیئے اور بے صبری اور بیقراری سے اپنے اللہ پر بدظنّ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کبھی بھی خیال کرنا نہیں چاہیئے کہ میری دعا قبول نہ ہو گی یا نہیں ہوتی ایسا وہم اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے انکار ہو جاتا ہے کہ وہ دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۴۳۴)